An International Literary Urdu Magazine Globally Circulated

लंदन से सबसे अधिक प्रकाशित होने वाला उर्दू अदब का मात्र अंतरराष्ट्रीय मैगजीन।

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:95ماہ نومبر2020ء

QINDEEL-E-ADUB INTERNATIONAL

80 STRATHDONE DRIVE LONDON SW17 0PW

(M) 0044-7886-304637, 0044-2089449385

www.qindeel-e-adub.co.uk, ranarazzaq52@gmail.com

لندن سے شائع ہونے والا میدانِ ادب کا واحد کثیر الاشاعت بین الاقوامی اردو میگزین

حلقہ ارباب ذوق جرمنی میں معروف شاعر اسحاق ساجد کی کتاب ’’برکھا من میں آگ لگائے‘‘ کی تقریب پذیرائی اور مشاعرہ

(رپورٹ:::۔ ڈاکٹر منور احمد کنڈے صفحہ 38 پر ملاحظہ فرمائیں)

Earlsfield Properties

Professional Residential Property Management Services

We will manage your property at 0% commission
Guaranteed
Rent Schemes for 3 & 5 years.

Free Management Services
Guaranteed Vacant Possession.

Get it Right

- ✓ Member National Landlord Association
- ✓ Member Deposit Portection Schemes
- ✓ Member The Property Ombudsman Scheme
- ✓ Winner of Pakistan Achievement Award 2014 (Excellence Management)
- ✓ Vastly Experience in Housing Benefits Clients.

PLEASE CONTACT: NAVEED SARWAR (MA EUROPEAN REAL ESTATE)

175 Merton Road, London SW18 5EF

Tel: 02082656000 02088770762
Fax: 02088749754
Email: info@earlsfieldproperties.com
Web: www.earlsfieldproperties.com

فہرست مضامین

اداریہ- قندیل ادب انٹرنیشنل کے آٹھ سال	راناعبدالرزاق خان	4
غزلیات: آدم چغتائی، ہری چند اختر، نجیب احمد ٹھیم، جمشید مسرور، انیس دہلوی، ڈاکٹر مقصود جعفری، ڈاکٹر محمد عامر خان، قمر آسی، عاصی صحرائی، قاسم مقصود، گلشن بیابانی، احمد علی برقی اعظمی، شمشاد شاد، ساجدہ انور، شکیل قمر، تمثیلہ لطیف، محمود احمد چغتائی، اعظم نوید، ڈاکٹر ظفر جاذب، شاہد ہاشمی، مبارک احمد سید، سعدیہ شاہ، عالیہ جبیں عآلی، سرسید مصطفیٰ دلکش، شفیق مراد، شائق نصیر پوری، کومل جوئیہ، عبد الکریم قدسی، امۃ الباری ناصر، احکم غازی پوری، صالح اچھا، عبد الجلیل عباد، کفیل احمد، ڈاکٹر محمد کامران، زین، معصومہ خاتون، یاسر علی میثم، زرغورنے خالد، ڈاکٹر محمد ریاض چوہدری عاجز، رجب چوہدری، نفیس حیدر عاشی، ارشد معراج، صدیق سرمد، فریدہ انجم، سید کاشف کاظمی، انجیل صحیفہ، تنویر عباس تھہیم، کاشف رحمن تبسم، زریں منور، طیبہ شہناز کریم، بسم اللہ کلیم، عباس ثاقب، ڈاکٹر طارق احمد		5 تا 18
قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کے زیراہتمام پنجابی زبان میں آن لائن مشاعرہ	عبدالحمید حمیدی	19
شہرہ آفاق شاعر شوکت محمود شوکت۔فریدہ انجم، پٹناسٹی	ادارہ	21
ایک ادیب وشاعر کا تعارف۔شہزادہ قمرالدین مبشر	ادارہ	22
آہ ساحر شیوی	امجد مرزاامجد	23
حکمت کے موتی	آفتاب احمد شاہ	24
شعر کی اثری کیفیت	آفتاب شاہ	25
5جی کے نقصانات	عاصی صحرائی	26
افسانہ۔لحاتِ وصل کی عجیب داستان تھی	مبشرہ ناز	26
اللہ اماں اور میں	مبشرہ ناز	27
خودساختہ عاشق رسول	سیدعطاءالرحمٰن نقوی	29
ایمل ولی خان پشاور واقعہ اور شدت پسند بیانیہ	رشید یوسفزئی	29
مالدیپ کی کہانی	ادارہ	32
جستہ جستہ	عطاءالقدیر طاہر	33
ابا کی محبوبہ	مبشرہ ناز	34
افسانہ۔سجدہ	مبشرہ ناز	35
پاکستان حکمرانوں کی خدمت میں	یعقوب امجد کھاریہ	36
جرمنی میں شاعر اسحاق ساجد کی کتاب کی رہنمائی	ڈاکٹر منور احمد کنڈے	38
نیاز جیراجپوری کا شخصیت نامہ۔ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی	ڈومن پورہ (کساری)	39
افسانہ۔انصاف	امجد مرزاامجد	42

***

مجلس ادارت

بانی اراکین

خان بشیر احمد رفیق مرحوم

آدم چغتائی مرحوم

مدیر

راناعبدالرزاق خان

اراکین ادارتی بورڈ

ڈاکٹر منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم، رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین، بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد، ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔امجد مرزا امجد، طارق مرزا آسٹریلیا، عبدالقدیر کوکب، بشارت احمد چیمہ۔

التماس

تمام دوستوں سے التماس ہے کہ اپنی شعری ونثری تخلیقات اور ادبی پروگرامز کی رپورٹیں وغیرہ برائے اشاعت بصورت ''اِن پیج اردو'' فائلز مع تصاویر ای میل سے روانہ فرمائیں۔''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بیسیوں ممالک میں لاکھوں اردو قارئین کے زیر مطالعہ رہتا ہے۔میگزین کے مندرجات پر آپ کے کمنٹ یا مختصر تبصرے ہمیں اپنا محاسبہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ مضامین کے ساتھ ضروری حوالہ جات آپ کے مضامین کی افادیت کو بڑھاتے ہیں۔آپ کی بھیجی ہوئی تمام تصاویر وغیرہ ''کاپی رائٹ فری'' ہونی چاہئیں۔

شکریہ E-mail: ranarazzaq52@gmail.com

IMPORTANT ANNOUNCEMENT

"Qindeel-e-Adab International" magazine is a non-commercial and non-profit e-product, as well as on paper, internationally distributed free of cost for the promotion of bi-lingual poetry, fiction, informative multi purpose interesting articles etc in Urdu alphabet in the UK and Europe under the sole ownership of its Chief Editor Abdul Razzaq Khan of the address as stated elsewhere within this magazine for delivery of documents.

The magazine and the contents herein DO NOT relate to a political, religious or a social group whatsoever. The Editor does not necessarily agree with the opinions expressed by the article writers, poets etc..

Although the e-magazine is FREE OF COST to all, yet for ON PAPER copies of the magazine we do expect a reasonable amount of donation to cover the costs of printing, postage and packing for all countries as stated) Chief Editor.

اداریہ:

(رانا عبدالرزاق خان)

قندیل ادب انٹرنیشنل کے آٹھ سال

خدا تعالیٰ کا لاکھ بار شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ صحت والی زندگی اب تک دے رہا ہے۔اور ہم اس ہستی کا شکر ادا کرتے ہوئے خدمت انسانیت کے پیشِ نظر خدمت زبانِ اردو بھی حتی المقدور کئے جارہے ہیں۔قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کا قیام محترم مبارک صدیقی کی راہنمائی میں ۲۰۰۸ سے شروع کیا تھا۔جس کے زیراہتمام ۱۵۰ مشاعرے کرچکے ہیں۔اور پھر اردوادب کی خدمت کے جذبے سے اس رسالے کو جنوری ۲۰۱۳ میں شروع کیا،جس کے اب تک ۹۵ میگزین شائع ہوچکے ہیں۔جس میں کوشش کی جاتی رہی ہے کہ بلاتمیز مذہب وملت ہر کسی کا کلام یا آرٹیکلز شائع کئے جائیں۔اور ایسا ہی کیا گیا۔جو دوست یا شاعروادیب ہمیں اپنے شاہکار ارسال کرتے ہیں۔ہم اسے معیار کے مطابق شائع کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔سارے ممالک سے بلکہ ساتوں براعظموں تک اس میگزین کی رسائی ہے۔سوشل میڈیا،ای میلز،اورویب سائٹ کے ذریعے اس رسالے کو دس لاکھ سے زائد اہل زبان پڑھتے ہیں۔آن لائن مشاعرے جو ہم نے ان چھ ماہ میں منعقد کئے ہیں۔اس سے اس رسالے کی طلب میں مزید بہت اضافہ ہوا ہے۔نئے شعراء کے کلام کو متعارف کروانے کا موقع ملا۔مشاعروں کی روئیداد بھی اس رسالے میں شائع کی جاتی ہیں۔دسمبر ۲۰۲۰ میں اس میگزین کو آٹھ سال پورے ہوجائیں گے۔میری گزارش ہے ان سب ادب دوستوں سے کہ اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔بے شک چند الفاظ ہی ہو جو کہ میرے لئے سرمایہ حیات ہونگے۔اور میں ان آرا کو دسمبر کے میگزین میں ضرور شائع کیا جائے گا۔آپ کے خطوط پندرہ نومبر تک پہنچ جائیں تو بہتر ہے۔جو لوگ اس رسالے سے مالی معاونت کررہے ہیں یا مزید دوست معاونت کرنا چاہتے ہیں۔وہ ٹائٹل پر دیئے گئے اکاؤنٹ نمبر یاد رکھیں۔سالانہ فیس اس رسالے کی ۳۵ پونڈ ہے۔ شکریہ مدیر۔ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

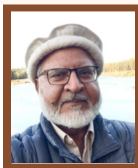

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

حسن کو عشق ہے منظور، جواب آیا ہے
عمر جب بیت گئی اپنی، شباب آیا ہے
ہم تو پہلے سے ہی قرباں تھے اسی مہ رُخ پر
نُور جس چہرے پہ بے حدّ و حساب آیا ہے
اس کو معلوم ہے کیا ہجر میں بیتی مجھ پر
پڑھ کے وہ بھی مرے چہرے کی کتاب آیا ہے
جب سے آیا ہے وہ گلشن میں مہک تازہ ہے
ایسا احساس ہوا جیسے گلاب آیا ہے
پاس بیٹھا ہوں کبھی اس کے جلو میں کچھ لمحے
لوگ کہتے ہیں کہ یہ پی کے شراب آیا ہے
اس کے ہر لفظ میں ہم نے تو سحر دیکھا ہے
لوگ سر دُھنتے ہیں جو اس کا خطاب آیا ہے
کب عتاب آتا ہے جب تک نہ کوئی آئے نذیر
سوچو تو کیسا یہ دنیا پہ عذاب آیا ہے
ہے یہی بات تو اچھی تِری طارق تُو بھی
جب کبھی یاد کیا اس نے شتاب آیا ہے

مودبانہ گزارش

قارئین سے گزارش ہے کہ دسمبر ۲۰۱۹ء سے تمام قارئین کا ماہانہ چندہ ختم ہوگیا ہے۔فی کاپی دو پونڈ اور بذریعہ ڈاک اگر ارسال کیا جائے تو تین پونڈ بن جاتے ہیں۔ براہ کرم اس کی ادائیگی ضرور کریں۔اس کی تیاری کمپوزنگ،ڈیزائننگ، پرنٹنگ پر کافی اخراجات ہوتے ہیں۔اس لئے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں رقم ارسال فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔جزاکم اللہ

HSBC London UK
A/C 04726979
Sort Code 400500

رانا عبدالرزاق خان لندن
(M) 0044-7886-304637
02089449385

غزلیات

آدم چغتائی
(جان کو وقفِ حاثات نہ کر)

زندگانی میں مسلسل تلخیوں کے باوجود
ہر شجر کی چھاؤں میں ہم کو ملا تیرا وجود

کون پوچھے کیا ملا جاکر انہیں حرمین میں
جذبۂ ایمان جو تھا لے گئے اہلِ ہنود

پوچھ لے دیر و حرم کے والیوں سے تُو بھی آج
کس قدر مکر و حقارت کی لگی ہے رفت و بود

رخنہ اندازی میں زاہد جانے کیوں مصروف ہیں
کب یہ سمجھیں گے خدا کے دین کی کیا ہیں قیود

کس قدر مُضطر انہیں دیکھا انا کے خول میں
ان سے پہلے کتنے ہیں گزرے یہاں عاد و ثمود

کیسے دیکھیں گے اُسے ہم نفرتوں کی آنکھ سے
جو شفیق و مہرباں ہو اور ہو مثلِ داؤد

کارزارِ زیست میں جن اُلجھنوں کا ذکر ہے
اُس میں مُضمر ہے ترقی اور وفاؤں کا کشود

دل کی گہرائی سے آدمؔ سجدہ میں تو سر جھکا
بھیج اُس ختمِ رُسل پر مدحتِ شانِ درود

ہری چند اختر

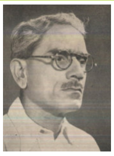

ملے گی شیخ کو جنت، ہمیں دوزخ عطا ہوگا
بس اتنی بات ہے جس کے لیے محشر بپا ہوگا

رہے دو دو فرشتے ساتھ اب انصاف کیا ہوگا
کسی نے کچھ لکھا ہوگا کسی نے کچھ لکھا ہوگا

بروز حشر حاکم قادر مطلق خدا ہوگا
فرشتوں کے لکھے اور شیخ کی باتوں سے کیا ہوگا

تری دنیا میں صبر و شکر سے ہم نے بسر کر لی
تری دنیا سے بڑھ کر بھی ترے دوزخ میں کیا ہوگا

سکون مستقل دل بے تمنا شیخ کی صحبت
یہ جنت ہے تو اس جنت سے دوزخ کیا برا ہوگا

مرے اشعار پر خاموش ہے جز بز نہیں ہوتا
یہ واعظ واعظوں میں کچھ حقیقت آشنا ہوگا

بھروسہ کس قدر ہے تجھ کو اخترؔ اس کی رحمت پر
اگر وہ شیخ صاحب کا خدا نکلا تو کیا ہوگا

نجیب احمد فہیم

ایک دلاسہ مرے اندر سے کہیں بولتا ہے
تُو اگر یار مرے ساتھ نہیں بولتا ہے

جب اندھیروں میں سبھی راستے کھو جاتے ہیں
رہ بتانے کے لئے میرا یقیں بولتا ہے

کب تلک اس کو یوں پابندِ قفس رکھنا ہے
ایک مدت سے مری جاں کا امیں بولتا ہے

کس نے الزام لگایا ہے کہ معذور ہے اب
کون کہتا ہے خدا اب تو نہیں بولتا ہے

سر جھکا،ڈھونڈ گریبان میں اپنے، اس کو
سارے عشاق بتاتے ہیں یہیں بولتا ہے

پوچھ ہرگز نہ کسی فرد سے مذہب اس کا
دیکھ اخلاق میں ہر شخص کا دیں بولتا ہے

جسم مجبور ہے اور روح بھی بے بس اس پر
جس جگہ زخم لگیں درد وہیں بولتا ہے

بیج اچھا ہے تو پھر اس کی نگہبانی کر
وقت آتا ہے تو وہ زیرِ زمیں بولتا ہے

آسماں اس کی صداقت پہ مقرر ہے نجیب
جب بھی مجذوب کوئی خاک نشیں بولتا ہے

جمشید مسرور

جرات کو خوف جاں سے زیادہ کیا تو ہے
ہمت سے بڑھ کے ایک ارادہ کیا تو ہے

یہ لاش ہے کہ سنگ مرے زیر پا مگر
اس شے نے میرے قد کو زیادہ کیا تو ہے

ملبے کے ساتھ لوگ ہٹانے پڑے مگر
اس شہر کو کسی نے کشادہ کیا تو ہے

وہ نعرہ ہائے جنگ سے اترا دلیل پر
ہم نے کوئی سوار پیادہ کیا تو ہے

اک جُبہ پوش بزم میں آئے ہیں غرق خوں
ہم نے بھی اہتمام لبادہ کیا تو ہے

تحریر پہ لگائی علامت سوال کی
اک حرف اس میں ہم نے زیادہ کیا تو ہے

یہ اور بات ہے کہ ریاضت نہ ہو قبول
ہم نے بھی استخواں کو برادہ کیا تو ہے

ہم نے بھی ڈال دی ہے سر راہ کان زر
اس نے بھی رنگ لب کو زیادہ کیا تو ہے

مدت کے بعد کنج بہاراں میں جا کے دل
نذر جمال دلبر و جادہ کیا تو ہے

خوف شکست سے کہیں یہ بھی نہ ٹوٹ جائے
گو دیر سے کیا ہے ارادہ کیا تو ہے
حرف غلط کو کہہ دیا جمشید نے غلط
اس رسم کا کسی نے اعادہ کیا تو ہے

انیس دہلوی

جو دل باندھے وہ جادو جانتا ہے
مرا محبوب اُردو جانتا ہے
بڑے ظالم ہیں عشق و مشک دونوں
مری وحشت کو آہو جانتا ہے
پتہ اُس کا تو ہم رندوں سے پوچھو
خدا کو کب یہ سادھو جانتا ہے؟
امیرِ شہر کیا سمجھے گا ان کو
مرے اشکوں کو جگنو جانتا ہے
میں سو پردوں میں تجھ کو ڈھونڈ لوں گا
کہ بھنورا تیری خوشبو جانتا ہے
تمہارا خوفِ رُسوائی ہے بیجا
کہاں گرنا ہے آنسو جانتا ہے
تبھی تو گفتگو میٹھی ہے اس کی
''انیس'' آدابِ اُردو جانتا ہے

ڈاکٹر مقصود جعفری

ملنا ہے جس کو آ کے ملے جُوئبار پر
طوفانِ رُستہ خیز ہے ریگِ کنار پر
سر میرا کٹ بھی جائے تو جُھکنے نہ پائے گا
کوئی بھی حرف آنے نہ دوں گا وقار پر
زیرِ نگیں ہے رونقِ دنیائے شش جہات
اہلِ فلک کو رشک ہے مشتِ غبار پر
کیا کیا فریب وعدۂ فردا پہ کھائے ہیں
کیسے یقین کرتے شبِ انتظار پر
اب در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے چار سُو
جس شخص کو غرور تھا اپنے حصار پر
مجھ کو شرابِ عشقِ حقیقی کا ہے خمار
مفتی ہے طعنہ زن مرے کیفِ خمار پر
انکار تو نہیں ہے کہ گُل ہیں چمن کی شان
کانٹوں کا بھی تو حق ہے نگارِ بہار پر
سازِ شگفتِ گُل ہے گلستاں میں نغمہ سنج
صد سوزِ دل کی مُہر ہے صوتِ ہزار پر
ایسی کشش ہے جعفری میرے کلام میں
گُرو ہمیشہ آئیں گے میرے مزار پر

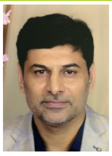

ڈاکٹر محمد عامر خان

سادہ سا دل ہمارا یونہی مان جائے گا
جھوٹی قسم نہ کھایئے ایمان جائے گا
پاتال کے تلے تو کبھی کہکشاں کے پار
کیا جانئے کہاں کہاں انسان جائے گا
اشکوں کو گر جگا دیا آہوں کے شور سے
پلکوں کا بند توڑ کے طوفان جائے گا
اتنا ہی زاد راہ لو جتنا اٹھا سکو
تنہا سفر میں کس طرح سامان جائے گا
عامر تمہارا رنگ ہی چھلکے گا ہر طرف
سارا جہان تم کو اگر جان جائے گا

قمر آسی

آپ سے گر نہ رابطہ ہوتا
حال دل کا بہت بُرا ہوتا
کاش مل جاتی یار کی تصویر
کچھ نہ کچھ دل کو آسرا ہوتا
تجھ کمر پر میں اک غزل لکھتا
جس کا باریک قافیہ ہوتا
شکر ہے چاند آسماں پر ہے
ورنہ اس پہ تو مر مٹا ہوتا
کاش جھونکا ہوا کا ہوتا اور
زلف و رخسار چومتا ہوتا
کتنا دل کش ہے پیرہن اس کا
اور کھونٹی پہ گر ٹنگا ہوتا
بخت آور میں جانتا خود کو
تیرا صاحب اے صاحبہ ہوتا
آرزو ہے گلاب تازہ کی
تیرے پیروں سا خوش نما ہوتا
میرے بس میں نہیں وگرنہ میں
تیرے کمرے کا آئنہ ہوتا
سانولی ہو کے اتنی دلکش ہو
اور گر رنگ دودھیا ہوتا
لحظۂ لمس کا قمر آسی
عمر بھر لب پہ ذائقہ ہوتا

عاصی صحرائی

آنکھوں سے سُننے والا، کانوں سے دیکھتا ہے
عاشق وفا کی رمزیں بھنورے سے جوڑتا ہے
کُھلتا رہا ہے عُقدہ فرہاد کی وفا کا
بے جان تیشہ اب بھی پتھر کو توڑتا ہے
افکار کی شبوں میں اذہان جاگتے ہیں
سوچوں کا لمحہ لمحہ خوابوں کو چھوڑتا ہے
میں سامنے جو دیکھوں پیچھے نظر بھی آئے

سجدہ مِری نگاہ کے آنسو نچوڑتا ہے
گُل بن گیا ہے شیشہ ہاتھوں سے گر کے میرے
اب پتیاں نہ بکھریں دل یہ ہی سوچتا ہے
اک ہے مکاں سخن کا تعمیر دل کے اندر
میٹھی غزل کے در کو ہر لفظ کھولتا ہے
جب بھی اُتر کے آئے دھرتی پہ فضلِ ربی
وہ ہی ستمگروں کے خنجر کو توڑتا ہے
نکلا ہوں جان دینے راہِ جُہد پہ عاصؔی
محبوب کے ہی در پہ وہ سر کو پھوڑتا ہے

عاصی صحرائی

عرش سے نازِل ہوا حرفِ حق روشن بہت
اہلِ عالم کا ہوا اک اک طبق روشن بہت
میری آنکھوں کا سنبھلنا ہو گیا مشکل بہت
اُن کے گالوں میں ہے ڈوبا اک شفق روشن بہت
یوں تو سنتے ہیں بہت دانشوروں کی گفتگو
اپنی اماں سے جو سیکھا وہ سبق روشن بہت
قدر کی وہ رات جو پوری کرے ہر آرزو
روزہ داروں کے لئے اُس کا افق روشن بہت
نہ ملے تعبیر مجھ کو اپنے خوابِ وصل کی
جس میں دیکھا چہرہء محبوب فق روشن بہت
میرے ہاتھوں کی لکیروں میں اندھیرے اب نہیں
اخترِ تقدیر لگتا ہے اَدَق روشن بہت
مِل گیا فیضان عاصؔی کو نبیؐ کے نور کا
نعت کے الفاظ سے تھا وہ ورق روشن بہت

ہم جو انسانوں کی تہذیب لیے پھرتے ہیں
ہم سا وحشی کوئی جنگل کے درندوں میں نہیں
(ساحرلدھیانوی)

عاصی صحرائی

شعر وہ ہے کہ جس کا طِلسم پھیلے
اُس کے معنی کی بھی کوئی قِسم پھیلے
نہیں ہے یہ کہ ستارے سے وہ نیچے آئے
خاک میں ہے جو چھُپا وہی نورِ اِسم پھیلے
روئیں روئیں پہ اثر ایسا ہوا ہے زمیں کا
جو روح پھیلے تو سنگ اُس کے جِسم پھیلے
کفر کرتے ہیں وہ لوگ کہ جن کے دل میں
خدا تو ایک ہو، پر، بتوں کا بھی طِلسم پھیلے
حرف برسے جو مرے دل میں بارش کی طرح
ارضِ تخلیق میں میری بھی تو رِم جھم پھیلے
سنگیت کے کوچے میں بھی دیکھا ہے جا کر ہم نے
نامِ اِبلیس کا واں پہ بھی اک رِدم پھیلے (ا)
کوئی شہید کرے عاصؔی کو تو میرے اللہ
میری لحد پہ گُلِ جنوں کی کوئی قِسم پھیلے

یازدہ مطالع۔عاصی صحرائی

-

کب انا کو چھوڑنا آسان ہے
یہ بھی دنیا دار کا سامان ہے

-

راز دریا کے ابلتے دیکھنا
گھر اندر سے نکلتے دیکھنا

-

مفلسی کے رقص کا مآل ہے
درد کی دولت سے مالامال ہے

-

آسماں سے معجزہ ظاہر ہوا
پھر ہے زندہ سوچ کا طائر ہوا

-

نیند میں آتش فشاں دیکھا کئے
دن میں جنت کے نشاں دیکھا کئے

-

تہمتیں برداشت کر لوں گا سبھی
تُو وفا کا پاس گر رکھے کبھی

-

گلشنوں میں تتلیوں کی ہے اُڑان
اس سے ہے بادِ صبا کی مستیاں

-

بحر کی گہرائی کو ہے یہ گماں
ساحلوں پہ بے سکت ہے آسماں

-

کوہ کی چٹان سے ہے آ گیا مجھ کو پیام
پانیوں میں کشتیوں کو میرا پُہنچانا سلام

-

آنکھ کی پُتلی میں ہے بارش ہوئی
دل میں اُتری اور جگر تک آگئی

-

چاند تھا قاتِل مِرا عاصؔی میاں
چھُپ گیا ہے چھوڑ کر کرنیں کہاں

عاصی صحرائی

ذہن و دل میں قصر ہیں کتنے بنالئے
قسمت سبھی کی دو ہی گز آخر کو پالئے
بارش نہ میرے پاؤں کے تلووں کو چھو سکی

میں نے قدم ہیں خاک پہ ایسے جما لئے
صحرا ترستے رہ گئے اک بوند آب کو
موسم بہت ہی آئے تھے کالی گھٹا لئے
جل کر ہے خاک ہو گیا الفت کا ہر مکاں
آتش فشاں سی برق تھی ظالم نگاہ لئے
ہم نے کیا نہ پیار میں کچھ بھی اگر مگر
احکام سارے مان کے سر بھی جھکا لئے
بولی غزل تپاک سے شاعر اے نامور
اپنے نہ نام کو کبھی بے جا اچھالئے
کِرنوں سے ہے مقابلہ اِس چاند رات میں
شب تاب محوِ رقص ہے اپنی ضیا لئے
اخبار کی ہیں سُرخیاں توحید کے خلاف
تیغِ قلم میاں سے عاصیؔ نکالئے

عاصیؔ صحرائی

پہلے رقیب کا تھا، اب وہ بنا ہے میرا
قندیل کے قریں ہے، وہ چھوڑ کر اندھیرا
وہ شمر کی طرح کا دیتا ہے زخم کاری
اس پر لگائے پھر وہ تیزاب کا پھریرا
تنہا میں رہ گیا ہوں گمنام جنگلوں میں
روتے ہیں سب درندے جنھوں نے مجھ کو گھیرا
ایسے عجب وہ راہی سیرِ جہاں کو نکلے
سوچوں میں سب کی ان کا ہے صبح و شام پھیرا
ان کا سُراغ پانا ہے پستیوں سے مشکل
کوہِ سُخن پہ ان کا شاہین سا ہے ڈیرا
شاعر کا دل تو دھڑکے اس کی غزل کے اندر
اُس کی ہے شب وہیں پہ، اس کا وہیں سویرا
دیکھا ہے خود کو عاصیؔ سب نے ہی آئینوں میں
اُن کے بجُز کسی کا اُجلا نہیں ہے چہرہ

عاصیؔ صحرائی

خوشیوں محبتوں کی سب کو دعا دے مُرشد
اپنی طرح سے رہنا ہم کو سکھا دے مرشد
ساری خطائیں اپنی تجھ کو بتا رہا ہوں
نہ پھر کروں خطائیں ایسی سزا دے مرشد
نورِ سُخن سے بھر کر رکھوں میں اپنا سینہ
اب زندگی کو میری ایسا بنا دے مرشد
تیری نِگہِ کَرم سے مجھ کو بھی کچھ عطا ہو
جو درمیاں ہے چِلمن اُس کو ہٹا دے مُرشد
تُو ہے اُتر کے آیا پربت کی رِفعتوں سے
دھرتی پہ جو ہے سیدھا، رستہ دکھا دے مرشد
تجھ کو تو علم ہوگا، انصاف کی گلی کا
اُس کی مکیں ہو دنیا، ایسی دعا دے مرشد
روحانیت کے اندر تُو پدرِ با وفا ہے
نیندیں اُڑی ہوئی ہیں، لوری سُنا دے مرشد
تجھ کو خدا نے بخشی روحوں کی بھی طبابت
گھائل ہوا ہے عاصیؔ اِس کو دوا دے مرشد

عاصیؔ صحرائی

گُم ہوا دل، ڈھونڈتا ہوں، نہ ملا اُس کا سُراغ
بستی بستی رات ساری لے کے نکلا ہوں چراغ
ہاتھ میں الجھا قلم، اور سامنے، کاغذ سفید
کون ہوں میں ؟ سوچتا ہی رہ گیا میرا دماغ
پھل کی شیرینی نے مالی کی زباں جکڑی ہوئی
بچہ بچہ مانگتا ہے بس یہی اَثمارِ باغ
ساقیا ! میں ہوش میں ! بے فیض میخانہ ترا
سامنے رکھ دے مرے، مستی بھرے، سب ہی ایاغ
میں نے تو سجدے کئے، لاکھوں، مگر یہ کیا ہوا!
میرے ماتھے پر بنا نہ اب تلک سجدے کا داغ
چاہتا ہوں، میں ملوں، خود سے کبھی تنہائی میں
جانے کیوں پاتا نہیں ہوں، میں کبھی، ایسا فراغ
گھر ہے خالی برکتوں سے، نہ ہی مہماں کا نزول
اب نہیں دیوار پر عاصیؔ کبھی بولا ہے زاغ

قطعہ۔ عاصی صحرائی

میں بیسویں صدی سے اکیسویں میں آیا
اب آسماں سے اُتری مجھ پہ سخن کی مایہ
ہے یاد مجھ کو گاؤں بچپن جہاں بِتایا
میں نے بھی یاد رکھا وہ بھی نہ بھول پایا

شاعر۔ قاسم مقصود

اپنی قربت عطا نہیں کرتا
کیوں وہ مجھ سے وفا نہیں کرتا
ہمسفر بھی نہیں سمجھتا مجھے
راستہ بھی جدا نہیں کرتا
میں کسی کو بھی اس زمانے میں
یاد تیرے سوا نہیں کرتا
کچھ نہیں کرتا ہے وہ میرے لئے
اس کی خاطر میں کیا نہیں کرتا
انتہا کرنا چاہتا ہوں میں
وہ مگر ابتدا نہیں کرتا
کیا ہوا گر خطا ہوئی مجھ سے
کون ہے جو خطا نہیں کرتا
وہ میرے ساتھ رہتا ہے قاسم
میرے حق میں دُعا نہیں کرتا

عالمی فروغِ ادب
گلشن بیابانی

رستہ طویل تَر مِرا، رختِ سفر نہیں
منزل کی جستجو ہے، مگر راہبر نہیں
دل پر کسی کے اسلئے تیرا اثر نہیں
"غافل تجھے سلیقہ عرضِ ہنر نہیں"
پہنچے ہیں اس مقام پہ شوقِ وصال میں
ہم کو ہمارے حال کی کچھ بھی خبر نہیں
انساں کی زندگی ہے بہت مختصر مگر
وقتی ہیں خواہشیں تو کبھی مختصر نہیں
گنو کسی کی یاد کے ایسے چمک اُٹھے
یرہ شبی کا اب تو ہمیں کوئی ڈر نہیں
ڈیرہ جمائے رہتے ہیں ہر لحہ غم مگر
مدّت سے میرے دل میں خوشی کا گذر نہیں
گلشن، پرندے سارے مہاجر لگے مجھے
جرت کرے ہے کوئی بھی ایسا شجر نہیں

احمد علی برقی اعظمی

اگر ہوتے نہ سرسید نہ جانے ہم کہاں ہوتے
زباں رکھتے ہوئے بھی اپنے منہ میں بے زباں ہوتے
علی گڑھ میں اگر قائم نہیں کرتے وہ اے ایم یو
نہ جانے کتنے اہلِ علم بے نام و نشاں ہوتے
اگر روشن نہیں کرتے چراغِ علم و دانش وہ
ادب کے اتنے مہر و ماہ کیسے ضوفشاں ہوتے
اگر کرتے نہیں ترویج وہ روشن خیالی کی
مشاہیرِ ادب اپنے نہ زیبِ داستاں ہوتے
حسین آزاد و حالی، شبلی و ڈپٹی نذیر احمد
سپہرِ فکروفن کی کیسے برقی کہکشاں ہوتے

شمشاد شادؔ

یکلخت نکلتی ہے، ناگاہ نکلتی ہے
اب تو مرے سینے سے بس آہ نکلتی ہے
حسرت بھری آنکھوں سے سب دیکھتے رہتے ہیں
وہ سیر کو جب میرے ہمراہ نکلتی ہے
تم شام سے کچھ پہلے اس موڑ پہ آجانا
جس موڑ سے صحرا کو اک راہ نکلتی ہے
الفاظ کے جادوگر ساحر تری غزلوں کے
ہر شعر پہ بر خستہ بس واہ نکلتی ہے
اخبار و رسائل بھی ہیں جھوٹ کے سوداگر
ہر ایک خبر ان کی افواہ نکلتی ہے
جو لوگ گناہوں کے رستے پہ بھٹکتے ہیں
اولاد اے شادؔ ان کی گمراہ نکلتی ہے

ساجدہ انور

زہر آلود، کج ادا، طوفاں
سب ہی رشتے نگل چکا طوفاں
باد پیما کوئی دکھائے کیا
ایک سینے کا بے بہا طوفاں
ساحلوں کی بھی ہے بے بسی دیکھی
"سب" اچکتا جو لے اڑا طوفاں
کھوجتے رہ گئے بہاروں کو
باغ سہما کہ جب چلا طوفاں
شعلۂ قلب مضطرب نہ بجھا
شمع جاں بجھا گیا طوفاں
رشک آمیز ہو سلام کہ "تو"
اپنی فطرت نبھائے جا طوفاں!
تیری شدت نے برق جو پھونکی
کچھ مرے پاس نا رہا طوفاں
جو بچاوہ بھی تجھ کو سونپ چلے
تیری اب اس میں جو رضا طوفاں!
حق تو یہ ہے کہ ساجدہ اپنی
خود تمازت میں جل اٹھا طوفاں

شکیل قمر

ہوئی رحمت عطا آہستہ آہستہ
خدا نے سب دیا آہستہ آہستہ
یہ تو نے کیا کیا آہستہ آہستہ
میں تو جاں سے گیا آہستہ آہستہ
جہاں سے ماورا آہستہ آہستہ
مجھے سب کچھ بتا آہستہ آہستہ
جو بھی تو نے دیا آہستہ آہستہ
وہ دکھ میں نے سہا آہستہ آہستہ
یہ خوشبو ہر طرف پھیلے گی گلشن میں
"چلے گی جب ہوا آہستہ آہستہ"

تمثیلہ لطیف

تمہارا روٹھ جانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
ہمیں یوں آزمانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
محبت تو محبت ہے مگر اس کو نہ سمجھو گے
محبت کو بھلانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
خلش سی دل میں رہتی ہے کسی کے ٹوٹ جانے کی
اچانک مسکرانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
زمانہ ہی تو دشمن ہے یہاں پر ہیر رانجھے کا
کسی کیدو کا آنا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے

تمہاری یہ ادائیں تو ہمیں اب مار ڈالیں گی
یونہی پلکیں جھکانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
بہت چپ چاپ رہنا بھی علامت ہے محبت کی
مگر باتیں چھپانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے
میری چوکھٹ پہ تمثیلہ وہ آیا بعد صدیوں کے
مجھے آ کر منانا بھی کسی خطرے کی گھنٹی ہے

محمود احمد چغتائی

مجھے تم سے کوئی گِلہ نہیں
خود تھی اندھیری مری زندگی
لیا تھام تُو نے جب ہاتھ میرا
پھر کسی اور کی نہ کی بندگی
پُر سکون چلا حیات کا کارواں
نہ اُٹھانی پڑی کبھی شرمندگی
بھلا کون پائے سَدا سکون یہاں
دندناتی پھرے ہر سُو درندگی
نہ رہا جمالِ یار ہی قابلِ دید
جیسے چاند بُھلا بیٹھا تابندگی
پڑی قوم کُفر کے چکروں میں
جبکہ لازم سب ہی کو خواندگی
کرے کیسے کوئی قوم طے ترقی
جہاں اُجاگر سدا رہیں زبیندگی
محمود! فنا ہو گا جہان اِک دن
خُدا کی ذات کو ہی ہے پائندگی

اعظم نوید

کوئی تو تیرے شہر میں ایسی دکاں ملے
تحفہ ترے لئے کوئی شایانِ شاں ملے
کس کو سنائیں حالِ دلِ زار کی کتھا
کوئی تو ایسا دہر میں اک رازداں ملے
ہر اک قدم پہ مل رہے ہیں ڈھیروں آبلے
اس زندگی میں کوئی تو جائے اماں ملے
انسانیت کا درد جو رکھتا نہیں کوئی
اس کو جہاں میں کیسے پھر اک آسماں ملے
کوئی ملا نہ ایسا کہ تسخیر کر سکے
یوں تو ہر ایک موڑ پہ ہیں مہرباں ملے
بولے کوئی تو پھول جھڑیں ہر زبان سے
اے کاش نوعِ انساں کو ایسی زباں ملے
ہرگام کو سجا دے پھر اُلفت کے پھول سے
میرے وطن کو ایسا کوئی باغباں ملے
انساں کے رُوپ میں ہیں درندے چُھپے ہوئے
ہرروز اس جہاں میں نئی داستاں ملے
ہر اک سے پوچھتے ہیں نام و پتہ ترا
سارے جہاں میں کوئی تو تیرا نشاں ملے
حُسنِ عمل سے بھر لو سبھی اپنی جھولیاں
کب تک نہ جانے زیست کا یہ گلستاں ملے

ڈاکٹر ظفر جاذب

غم لگاتار جو تقدیر میں آجاتا ہے
کرب کا ذائقہ تحریر میں آجاتا ہے
اپنا چہرہ بھی سرِ آئینہ گر دیکھوں میں
عکس تیرا میری تصویر میں آجاتا ہے
اس کی قسمت میں تمام عمر اسیری ٹھہری
جو ترے پیار کی زنجیر میں آ جاتا ہے
جب وہ الفاظ کی اصنام گری کرتا ہے
ہر کوئی لہجے کی تاثیر میں آجاتا ہے
یہی شکوہ ہے سرِبزم وہ ملتا ہے مجھے
اس طرح وصل بھی تعزیر میں آجاتا ہے
حاکمِ وقت پہ لازم ہے نگہبانی کرے
گر کوئی شخص بھی جاگیر میں آجاتا ہے
چھت کے گرنے کا اندیشہ ہے کہ جب جاذب!
گھن چلتا، چلتا ہوا شہتیر میں آجاتا ہے

شاہد ہاشمی

تم سلامت رہنا بس
تا قیامت رہنا بس
میری چھوڑو دوستی
آپ ثروت رہنا بس
نفرتوں کو چھوڑ کر
صرف چاہت رہنا بس
مار ڈالے گا ہمیں
تیری حسرت رہنا بس
کب کہا آسان ہے
تیری صورت رہنا بس
کتنا مشکل ہو گیا
آج عورت رہنا بس
بندگی ہے بندگی
میری فطرت رہنا بس
زندگی کی دھوپ میں
بن کے پربت رہنا بس
تھک گیا ہوں ہجر سے
بس محبت رہنا بس
یہ بھی شاھد مرض ہے
دردِ اُلفت رہنا بس

مبارک احمد سید

ہم کو بلا دلیل ہی کافر کہا گیا
تیرا کلام سُن کے بھی جھوٹا کہا گیا
بیٹھا ہمارے ساتھ جو ایمان سے گیا
ہم پر تو ایسا کُفر کا فتویٰ دیا گیا
سُن لی اگر دلیل تو اسلام سے گیا
یوں سادہ سی عوام کو گمراہ کیا گیا
وہ بولتا تھا اب نہیں، ہم سے کہا گیا
ہم نے کہا تُو زندہ ہے، جھٹلا دیا گیا
وہ آخری نبیؐ نہیں ہم نے یہ کب کہا ؟
پھر بھی ہمیں رسول کا مُنکر کہا گیا
کچھ ایسا دیں فروش ہے یہ مُلّا بد قماش
عشقِ رسول کو بھی بغاوت کہا گیا
کلمہ نماز روزہ تلاوت جو ہم کریں
واجب ھمارا قتل ہے فتویٰ دیا گیا
میری دلیل اپنے شکنجے میں ڈال کر
میری زبان روک دی جھگڑا کیا گیا
طاقت کی پھونک سے یہ بجھانے لگے چراغ
ہاتھوں سے اپنے ربّ کے جو روشن کیا گیا

گلشن بیابانی

تمھاری یاد کا جگنو جو ٹمٹمائے گا
شبِ فراق میں لطفِ وصال آئے گا
شُبہ ہے خون کے آنسو ہمیں رُلائے گا
"تمھارے بعد یہ موسم بہت ستائے گا"
لہو غریبوں کا سڑکوں پہ نا بہے گا اب
کیا اس صدی میں کوئی ایسا سال آئے گا
وہ میرے ظرفِ تقدّس کے آزمانے کو
وہ اپنے حسن کے جلوے مجھے دکھائے گا
اُبھرتا جاؤں گا، اسکے حواسِ باطن میں
وہ میرا نام بھی لکھ لکھ کے جب مٹائے گا
کسی کی چشمِ نمیدہ کی ہے تلاش مجھے
بھلا یہ دریا مری پیاس کیا بجھائے گا
صبا جو رُوٹھ گئی ہے تو صحنِ گلشن میں
خزاں کے دور میں اب کون گُل کھلائے گا

سعدیہ شاہ

میں خزاں رسیدہ گلاب ہوں
مجھے چاہتوں کی بہار دے
میرے ہم نفس میرے پاس آ
مجھے چند سانسیں اُدھار دے
میں محبتوں کی کتاب ہوں
مجھے اپنے دل کی نظر سے پڑھ
میرا حرف حرف اُجال دے،
میرا لفظ لفظ نکھار دے
مجھے آنکھ بھر کے تو دیکھ لے
میرے واسطے ہے تو آئینہ
میری سادگی میں بھی حسن ہو
میرا رُوپ ایسا نکھار دے
تیری کشتی پر میں سوار ہوں
تیری مرضی اب میرے نا خدا
تو جدھر سے چاہے گزار دے
تو جہاں بھی چاہے اُتار دے
جسے تو لکھے اسے میں پڑھوں
جسے میں لکھوں اسے تو پڑھے
میں تیری غزل کو سنوار دوں
تو میری غزل کو سنوار دے
مجھے گلستانوں سے کیا غرض
مجھے دشت و صحرا کا خوف کیا
اسی راستے پہ میں چل پڑوں
تو جہاں سے مجھ کو پکار دے
میں کروں گا دل سے قبول اسُے
مجھے نذر جو بھی کرے گا تو
مجھے دے سکے نہ تو پھول اگر
تیرے پاس خار ہے تو خار دے
میرا ظرف تو نہ یوں آزما
میرا غم ہے نغمئِ جاوداں
میرے ضبط کی کوئی حد نہیں
مجھے زخم چاہے ہزار دے

عالیہ جبیں عآلی

نفرتوں سے بَھری یہ دُنیا ہے
کہیں پیار ہو تو خوشی ملے۔
سَائے ہیں یہاں خوف کے ہر طرف
کہیں چھاؤں ہو کہ سکُوں مِلے۔
ہر لہجے میں ہے یہاں زہر بَھرا
کہیں مِٹھاس ہو کہ سکوں ملے۔
تیرا ذِکر کہاں ہے کھو گیا
میرے مولیٰ بتا کہ سکُوں مِلے۔
کبھی تھیں بہاریں خُوشی بَھری
کبھی وِرد تھا تیرا ہی ہر طرف۔
وہ بَشر کہاں ہیں سب کھو گئے
مُجھے دے پتہ کہ سکُوں مِلے۔

تیرے ذِکر سے بھری ہر صُبح ہو
تیری عِبادت سے بھری ہر شام ہو
جہاں دُعائیں ہی بس دعائیں ہوں
جہاں کِسی سے کوئی گِلہ نہ ہو
لوٹا دے وہ دُنیا پھر سے میری
جہاں خُوشی مِلے اور سکُوں مِلے
جہاں طلبگار ہر کوئی تیری رضاء کا ہو
میرے مَولیٰ دُعا یہ میری قبول ہو

سرسید
مصطفیٰ دلکش ممبئی

میں ہوں بچہ سیدھا سادا
میں ہوں بالک بھولا بھالا
سب کو ایک بناؤں گا میں
سب کو نیک بناؤں گا میں
سب کو راہ پہ لاؤں گا میں
سب کو پیار سکھاؤں گا میں
علم کو یوں پھیلاؤں گا میں
سب میں جوت جگاؤں گا میں
بچوں سے میں پیار کروں گا
ان کو میں ہشیار کروں گا
علم کا ہوگا سایا سر پر
کل یہ ہوں گے قوم کے رہبر
پیار محبت عام کروں گا
جگ میں روشن نام کروں گا
اچھے کام کروں گا
روشن اپنا نام کروں گا
علم کی دولت بانٹوں گا میں
سر سید بن جاؤں گا میں

شفیق مرادؔ۔ جرمنی

ہمارے دل میں وہ ہم اُنکی چشمِ تر میں رہتے ہیں
وہ اپنے گھر میں رہتے ہیں ہم اپنے گھر میں رہتے ہیں
کبھی افکار بنکر وہ میرے اشعار میں اُترے
کبھی بنکر غزل ہم اُس حسیں پیکر میں رہتے ہیں
کوئی منزل عطا ہو میرے اِن الفاظ کو مولا
کہ یہ ایسے سفینے ہیں جو بحر و بر میں رہتے ہیں
محبت کا سبق اب کوئی بھی ازبر نہیں ہوتا
جو تعبیریں ملی ہیں ہم تو اُنکے ڈر میں رہتے ہیں
خدایا تیرے ہاتھوں کے بنائے یہ تیرے انسان
تجھے کس طرح چکر دیں اِسی چکر میں رہتے ہیں
دلِ بے تاب کی بے تابیاں دیکھی نہیں جاتیں
اگرچہ جسم و جاں تو کوچہ دلبر میں رہتے ہیں
عطا بچوں کو پروازِ عروجِ زندگی کر دے
دعاؤں کے خزینے ان کے بال و پر میں رہتے ہیں
مرادؔ اِس آگہی کے دور میں کیوں خودفریبی ہے
کہ اہلِ علم و دانش شہرِ خواب آور میں رہتے ہیں

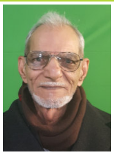

شائق نصیر پوری

اندھیرا مٹتا ہے جتنا مٹاکے دیکھتے ہیں
اندھیری رات میں دیپک جلاکے دیکھتے ہیں
اس طرح بھی محبت نبھاکے دیکھتے ہیں
تمہارے سُر میں چلو سُر ملاکے دیکھتے ہیں
جہاں جہاں بھی پہنچتی ہے نفرتوں کی ہوا
وفا کے پھول وہاں پر کھِلا کے دیکھتے ہیں
جہاں پہ ہر کوئی محروم ہے سماعت سے
اس انجمن میں غزل گنگنا کے دیکھتے ہیں
ترے کرم سے بہت فیضیاب ہوتے تھے
ترے ستم بھی چلو اب اٹھاکے دیکھتے ہیں
چلو کہ پھر سے بچھڑ جائیں آج ہم شائقؔ
چلو جدائی کا صدمہ اُٹھاکے دیکھتے ہیں

کومل جوئیہ

سپرد خاک مرا ایک ایک خط نہ کرے
وہ بدگمانیوں میں فیصلے غلط نہ کرے
سلجھ بھی سکتا ہے جھگڑا اسے کہو کہ ابھی
جدائی کے کسی کاغذ پہ دستخط نہ کرے
میں چاہتی ہوں مرا ساتھ دے بچھڑنے میں
وہ احترام مری رائے کا فقط نہ کرے
تُو خاندان کو اتنا بھی کہہ نہیں سکتا
کہ میرے بارے میں باتیں غلط سلط نہ کرے
میں اب وہاں نہیں رہتی، اسے خبر کردو
کہ اس پتے پہ روانہ کوئی بھی خط نہ کرے

نہ تُو شوکت ہے نہ تُو صدیقی
عبدالکریم قدسیؔ

مال، مسند، قبا بچا کے دِکھا
شان و شوکت ذرا بچا کے دِکھا
تُو کہ خود کو خدا سمجھتا تھا
رُعب اور دبدبہ بچا کے دِکھا
جعلی واعظ بنا ہوا تھا تُو
اپنا منبر، عصا بچا کے دِکھا
اے طرفدارِ ظلمتِ شب تُو
اپنا بجھتا دیا بچا کے دِکھا
عدل کے نام پر تُو دھبّا ہے
اب فریب و دغا بچا کے دِکھا

مشغلہ ہے ترا جو عدل کُشی
اب کے یہ مشغلہ بچا کے دِکھا
اِن گنت تجھ پہ ہیں جو الزامات
ان سے دامن ذرا بچا کے دِکھا
تُو نے توہین کی ہے سچوں کی
اب تُو گردن، گلا بچا کے دِکھا
نہ تُو شوکت ہے نہ تُو صدّیق
اپنی جُھوٹی انا بچا کے دِکھا

امۃ الباری ناصر امریکہ

کیا کہتا ہے 'کورونا' محسوس کیا لوگو
کیا کہتا ہے 'کورونا' محسوس کیا لوگو
اللہ سے غفلت پر ملتی ہے سزا لوگو
کس جُرم پہ حشر اُٹھا ہر سمت مصائب ہیں
غصّے میں بھرا ہے وہ کچھ غور کیا لوگو
طوفانِ حوادث ہیں منہ پھاڑے ہوئے ہر جا
وہ رحم کا عادی ہے کیا اُس کو ہوا لوگو
اُلٹاتا ہے کیوں مولا بستی ہوئی بستی کو
پکڑی نہیں کیوں عبرت کیا تم کو ہوا لوگو
وہ کون سی لعنت ہے جس کو نہیں اپنایا
بے راہ روی پر وہ ہوتا ہے خفا لوگو
قرآن میں جو باعث لکھے ہیں عذابوں کے
سب آج ہوئے یکجا کیا ہم کو ہوا لوگو
اِک قوم تباہ کرکے لے آتا ہے وہ دوجی
سوچو تو کسی نے تھا اِنذار کیا لوگو
پہلے وہ جگاتا ہے سو بار جگاتا ہے
پھر بھی نہ اگر جاگیں دیتا ہے سُلا لوگو
ہر سمت فحاشی کا عریانی کا سونامی
لا دینی کا سونامی ہے در پہ کھڑا لوگو
اب کشتی مسیحا کی طوفاں سے بچائے گی
جب فیصلہ آجائے پھر کون بچا لوگو

احکم غازی پوری

پر ہے عقل سے پرواز آرزوئے قلم
حدِ کمال سے آگے ہے جستجوئے قلم
غزائے ذہن اگر ہے جہاں کی معلومات
دلوں کی پیاس بجھاتا ہے آبِ جوئے قلم
میرے خیال میں مضمون لیکے آتے ہیں
سروشِ علم سے ہوتی ہے گفتگوئے قلم
یہی دعا ہے کہ علم و ادب کے گلشن میں
گلوں کے خامہ سے اُٹھے فضا میں بوئے قلم
ادب کی قدر سے جو نابلد ہیں کیا جانے
کہ اہلِ علم ہی ہوتے ہیں روبروئے قلم
یہ علم ایک قلم کار کی عبادت ہے
نماز حرف سیاہی ہے گر وضوئے قلم
میں آج قوم کی تاریخ لکھنے بیٹھا ہوں
یہ امتحان ہے رہ جائے آبروئے قلم
امیرِ شہر ہو احکم ادب کی دنیا کے
اُٹھو کہ دستِ سخنور بڑھاؤ سوئے قلم

(صالح اچھا) کنیڈا

ذلت جو پاگئے ہیں خیالات بیچ کر
خوش ہیں بہت زیادہ، خرافات بیچ کر
نظروں سے سب کی گر کے ہر اک بات بیچ کر
پائی ہیں راحتیں یہاں دن رات بیچ کر
واعظ کو فخر، جبہ و دستار مل گئی
دنیا کی محفلوں میں مناجات بیچ کر
یہ کیا ہوا کہ وہ بھی اندھیروں میں کھو گئے
نکلے تلاشِ صبح میں ظلمات بیچ کر
چلیئے نہ اس قدر بھی ہواؤں کے روبرو
اپنی نفی نہ کیجئے اثبات بیچ کر
گروی نہ رکھ زبان کو غیروں کے ہاتھ
رسوانہ کر خودی کو بیانات بیچ کر
یوسف نہیں ہے اب کوئی بازارِ مصر میں
تجھ کو ملے گا کیا یہاں اوقات بیچ کر
صالح ترا نصیب، تو انمول ہو گیا
کتنے بکے ہیں لوگ یہاں ذات بیچ کر

ڈاکٹر ظفر جاذب

بھیگی پلکوں پہ مرا نام لکھا رہنے دے
مری اُمید کا روشن یہ دیا رہنے دے
فاصلے صدیوں کے طے کرکے یہاں پہنچا ہوں
اک نظر دیکھ لے کچھ پاسِ وفا رہنے دے
دل کے ساحل پہ کوئی نقش بنا بار ِ دگر
یہ گھروندا جو مٹا ہے تو مٹا رہنے دے
ابھی مایوس نہ ہو گردشِ حالات سے تو
اپنے ہونٹوں پہ ابھی حرفِ دُعا رہنے دے
روٹھ جائے تو مری جان پہ بن جاتی ہے
دل نہ مانے کہ خفا ہے تو خفا رہنے دے
زندگی بھر کی کسک تیرا مقدر جو کرے
پیار کی راہ میں ایسی تو انا رہنے دے
ٹوٹ جائے گا تو پھر کیسے بنا پاؤں گا
مرے سپنوں کا محل جان بنا رہنے دے
وہ مرے خواب کی تعبیر نہیں جانتا ہوں
خواب آنکھوں میں مگر میرے خدا! رہنے دے
اس کی یادوں کے سوا کچھ بھی نہیں پاس مرے

ساری دُنیا سے مگر مجھ کو جدا رہنے دے
اس کی رسوائی نہ ہوجائے اگر نام لیا
اپنے ہونٹوں میں وہ اک نام دبا رہنے دے
وہ چلا ہے تو کہاں اُس نے پلٹ آنا ہے
جانے والے کو نہ دے تو بھی صدا رہنے دے
جس کی آنکھوں میں شناسائی نہیں ہے جاذبؔ
اپنی آنکھوں میں وہی شخص بسا رہنے دے

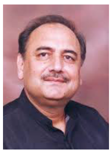

عبدالجلیل عبادؔ جرمنی

دِل ہو خاموش تو پھر اُس کا بدن بولتا ہے
روح زخمی ہو تو شاعر کا سخن بولتا ہے
آگ بھر جاتی ہے جب سوچ کی ہر اک رگ میں
لاوا تب پھوٹتا تو دھرتی کا مَن بولتا ہے
جب بھی انصاف کا خوں ہوتا زمیں پر لوگو
مٹی سَر پیٹتی ، غصّے میں گگن بولتا ہے
برکھا جب برستی ہے آنکھوں سے پردیسی کی
یادوں کے بادلوں سے اپنا وطن بولتا ہے
سیکھتے کچھ بھی نہیں ہیں یہ ستم گر فرعون
گرچہ تاریخ کا ہر باب کُہن بولتا ہے
شہروں سے اچھے ہیں جنگل' وہاں بستے قاتل
دیکھ کر حال یہ انسانوں کا بَن بولتا ہے
تیرا محبوب گزرتا ہے جہاں سے عبادؔ
رقص کرتا ہے ہر اِک بتّا چمن بولتا ہے

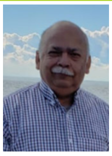

کفیل احمد

اپنے ہی شہر میں ہوں تلاش اماں میں
یہ دن بھی آئے گا نہ تھا اپنے گماں میں
ننھا پرندہ اڑ گیا سازش یہ جان کر
لوگوں نے ڈالے تیر ہیں اپنے کمان میں
بوڑھے شجر نے دکھ بھرے لہجے میں یہ کہا
کاٹو مجھے تو ہو ذرا سایہ بھی دھیان میں
گر چاہتے ہو دوستی تو یاد رکھنا تم
تلخی کبھی نہ آئے تمہاری زبان میں
گھر آپ کا بھلے ہی وسیع و عریض ہو
ملتا سکون ہے ہمیں چھوٹے مکان میں
ڈھونڈو کفیل کو ابھی تھا تو یہیں کہیں
شاید نکل گیا ہو تلاش امان میں

ڈاکٹر کامران حیدر

ساتھ سونا، جاگنا، ہو نا نہ ہونا ایک تھا
فو ن پر بھی رابطہ ہو نا نہ ہونا ایک تھا
میں نے خود کو مرکزی کردار سمجھا تھا وہاں
جس کہانی میں مرا ہونا نہ ہونا ایک تھا
عمر بھر سب بے وفاؤں سے وفا کرتا رہا
پھر کہلا کہ باوفا ہونا نہ ہونا ایک تھا
آج کوئی دومیاں آیا تو اس نے کہہ دیا
ساتھ رہنا یا جدا ہونا نہ ہونا ایک تھا
اک طرف میری انا تھی اک طرف اس کا غرور
میرے حق میں فیصلہ ہونا نہ ہونا ایک تھا
ہم نے جب ملنا نہیں تھا اس سے جا کر کامران
اس کی بستی کا پتا ہونا نہ ہونا ایک تھا

زین

جب بھی تم چا ہو مجھے زخم نیا دیتے رہو
بعد میں پھر مجھے، سینے کی دعا دیتے رہو
ٹھیک سے سوچ سمجھ کر مجھے رخصت کرنا
یہ نہ ہو بعد میں رو رو کے صدا دیتے رہو
ٹھیک ہے مان لیا ہے کہ خطا تھی میری
جیسے تم چاہو، میں حاضر ہوں، سزا دیتے رہو
چھوڑ جاؤ گے تو رو دھو کے سنبھل جاؤں گا
پاس رہ کر مجھے غم حد سے سوا دیتے رہو
روٹھ کر وہ جو تمہیں خود ہی منا لیتا ہے
زینؔ تم اس کو دعا سب سے جُدا دیتے رہو

معصومہؔ خاتون پٹنہ

سراپا بن کے میں تصویر یاس رہتی ہوں
اسی لئے تو ہمیشہ اُداس رہتی ہوں
وہ مجھ سے دور ہے لیکن اُسے خبر بھی نہیں
میں سایہ بن کے سدا اسکے پاس رہتی ہوں
یہی تو غم ہے مرا دل بھی اب نہیں میرا
یہی تو سوچ کے میں بد حواس رہتی ہوں
نہ جانے کب ہو سمندر سے سامنا میرا
لئے میں ہونٹوں پہ مدت کی پیاس رہتی ہوں
جو نکلے چاند تو دیدارِ یار ہوجائے
شب فراق لگائے تپاس رہتی ہوں
غموں کو بانٹنے والا کوئی نظر آئے
لئے دماغ میں اُمید و آس رہتی ہوں
زمانہ خوف زدہ اسلئے ہے معصومہؔ
مرا عمل ہے کہ میں حق شناس رہتی ہوں

غزل

کہا کس نے کہ کر کے شادیاں ارمان کم نکلے
ہیں چاروں بیویاں ایسی کہ ہر بیوی سے دم نکلے
کل اک خاتون کی تعریف جس صاحب کے آگے کی

ہماری شامتِ اعمال وہ اس کے خصم نکلے
گئے تھے حال دل ان کو سنانے تو اکیلے تھے
مگر جب گھر سے نکلے تو پکس کے ساتھ ہم نکلے
وہ حرکت کیا تھی آخر جس پہ یہ کہنا پڑا غالب!
"بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے"

......☆......

"ضبط لازم ہے مگر دُکھ ہے قیامت کا فراز"
ایسے حالات میں وہ کیسے سکوں پائے گا
آٹھویں بار ہے بے چارے کی منگنی ٹوٹی
"ظالم اب کے بھی نہ روئے گا تو مر جائے گا"

یاسر علی میثم (لیہ)

ہماری راہ سے وہ جب گزرنے لگتے ہیں
بڑا عجیب سا محسوس کرنے لگتے ہیں
وہ مسکرائے تو ہونٹوں سے پھول خوشبودار
ہمارے دامنِ دل میں بکھرنے لگتے ہیں
اداس راتوں میں ہر پل مرے دریچے پر
تمہاری یاد کے جگنو اترنے لگتے ہیں
ہماری سانس بدن سے نکلنے لگتی ہے
جب ان کی یاد کو آزاد کرنے لگتے ہیں
کسی غریب کے ماتھے پہ مفلسی دیکھوں
تو میری آنکھ میں آنسو اترنے لگتے ہیں
کہ رعبِ حسن سے ان کے تب آئینہ لرزے
جب آ کے سامنے میثم سنورنے لگتے ہیں

غزل

عکس کوئی برسوں تک رُوبرُو نہیں رہتا
آدمی کی فطرت ہے ہُوبہ ہُو نہیں رہتا
شہرِ دل کی حرمت کا جو خیال رکھتا ہے
خوشبوؤں کے جیسے وہ کُوبہ کُو نہیں رہتا
قافلہ ان اشکوں کا جب رواں ہو آنکھوں سے
غم کا کوئی منظر پھر دُوبدُو نہیں رہتا
اک چراغ تک دل میں مدتوں نہ جلتا ہو
کوئی شخص بھی اس میں پھر کبھو نہیں رہتا
مہربان لمحوں کو پیرہن سمجھ کے تُو!
رنگ جب بدلتا ہے تُو بھی تُو نہیں رہتا
جس سے بات کر کے بھی بات پھر ادھوری ہو
پھر وہ شخص موضوعِ گفتگو نہیں رہتا

زرغُونے خالِد

جو بظاہر ہمیں خزینے لگے
ہاتھ میں غیر کے نگینے لگے
اُن کو دیکھا تو لفظ بول اُٹھے
خواب، انگڑائی لے کے جینے لگے
دِل پہ گھاؤ لگا تھا لمحوں میں
جس کے بھرنے میں پھر مہینے لگے
جب دکھائی دیئے ہوس کے غلام
اپنی صُورت سے ہی کمینے لگے
پیار اخلاص خُلق اور وفا
زندگی کے یہی قرینے لگے
یوں نہیں بن گیا تھا، تاج محل
اس میں محنت لگ، پسینے لگے
بحر اَفسُر دگی میں، زر غُونے
ہم کو وعدے ترے سفینے لگے

بیمار کو مرض کی دوا دینی چاہیئے
میں پینا چاہتا ہوں پلا دینی چاہیئے
(راحت اندوری)

ڈاکٹر محمد ریاض چوہدری عاجز

فنا میں سوچیے تھوڑا قیام باقی ہے
لپیٹنے کو ابھی یہ نظام باقی ہے
شرورِ ذات میں پڑ کر خدا کو بھولے ہو
نزولِ قہر کا بس اہتمام باقی ہے
بڑوں کے سامنے چھوٹا اکڑ کے بولا ہے
کہاں نگاہ میں اب احترام باقی ہے
جہاں پہ موت بچنا محال ہے تیرا
کرو گے نوش ضروری یہ جام باقی ہے
اجل کے سامنے بھوکا وسیر اک جیسا
مگر جناب کا تھوڑا طعام باقی ہے
خدا کا شکر ہے عاجز بدن سلامت ہے
عبادتوں کا ابھی اہتمام باقی ہے

رجب چوہدری

اک خواب سہانا جاگا ہے
اک روگ پُرانا جاگا ہے
ہر سمت وبا کی صورت میں
کیا خوف انجانا جاگا ہے
مذکور ستارے چاند نہیں
مرے ساتھ زمانہ جاگا ہے
تم بچھڑے ہو تو آنکھوں میں
اشکوں کا بہانہ جاگا ہے
وحشت سی دل میں اُبھری ہے
کوئی افسانہ جاگا ہے
دل کے ویران جزیرے میں
یادوں کا خزانہ جاگا ہے

اک چہرہ ذہن کے پردے پر
جانا پہچانا جاگا ہے

افسوس ناک المیہ
ازقلم،نفیس حیدرعاشی

اس پاک وطن کا کیا ہوگا
میں تو دل سے ہوں حیراں
کچھ معصوم لٹیروں نے
مٹی میں ملا دی اس کی شاں
گھر لئے عزتیں پامال ہوئیں
جو بچا پاتال میں چلا گئے
بے حیائی اتنی پھیل گئی
بر باد ہوئے ہیں کتنے جواں
پاک دھرتی کو ناپاک کیا
کچھ خاص شیطاں کے چیلوں نے
نا جانے کون سے مذہب سے
تعلق رکھتے ہیں یہ شیطاں
کچھ دلوں سے کھیل کے چلے گئے
کچھ نے تو جسم بھی نہ چھوڑا
ایمان کی بھی نہ پر واکی
ہو سکتے نہیں وہ مسلماں
دل میلے ان کے ہوتے گئے
ایمان سے ہوگئے اتنے دور
آہیں کہ مقدر ان کا بنیں
بے اثر ہوئی جب آہ وفغاں
سنگسار یا پھانسی ہوتی تو
عزتیں انمول بھی ہو جاتیں
عبرت ناک سزائیں جو سہتے تو
بنتے وہ عبرت کا نشاں
دل کتنا سہا رہتا ہے
بیٹی جب گھر سے نکلتی ہے
جس کا بھائی اور باپ نہ ہو
وہ محرم کو ڈھونڈے تو کہاں
سن شعور کو بھی جو نہ پہنچے
نہیں چھوڑتے بھیڑیے اس کو بھی
یہ المیہ ہے اس دیس کا اب
حیوان ہی بکھرے پڑے ہیں یہاں
میرے دیس کے لوگو کچھ تو کرو
علاج ان درندوں کا
روح پارہ ہوگئی جن کی ہے
کچھ ان کے دردکا ہو درماں
محفوظ نہ بیٹی رہے گی تو
حاصل کرے گی کیسے علم
درندے ہی بڑھتے جائیں گے
کیسے بن پائیں گے انساں

ارشد معراج

حد نظر گماں کی کھڑکی کے اس طرف
اور دھند آسماں کی کھڑکی کے اس طرف
کھڑکی کے اس طرف ہے گھٹن، حبس اور دھواں
اور تازگی جہاں کی کھڑکی کے اس طرف
اب کھینچے وصال کی اک رات بیچ سے
اور چاندبھی ہو دھیان کی کھڑکی کے اس طرف
راتوں کو خواب بیچنے اندھے کباڑیے
بازار ہے دکان کی کھڑکی کے اس طرف
اک سایہ زوال مجھے کھینچتا ہوا
اک روشنی گماں کی کھڑکی کے اس طرف
میں جست بھر کے ساری زمیں پار کرگیا
منظر تھا آسماں کی کھڑکی کے اس طرف
اک نطق چاہیے تھا مجھے عرض حال کو
جو رہ گیا بیان کی کھڑکی کے اس طرف
میں لامکانیوں میں الجھتا رہا ادھر
اور راستہ مکان کی کھڑکی کے اس طرف

فریدہ انجم

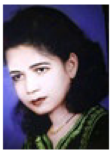

کس زباں سے کروں میں وصف بیاں
آسماں کا حسین تحفہ ہے ماں
گود اس کی ہے تربیت کا مقام
سجدے کرتی ہے زندگی بھی یہاں
راہ کی سخت دھوپ میں مجھ کو
اس کے آنچل میں ہی ملی ہے اماں
اس کے قدموں تلے ہے خلد بریں
اس کی خدمت میں ہے ثواب نہاں
دوڑ پڑتی ہے بے تحاشا تو
جب بھی بچہ پکارتا ہے ماں
یہ نہ ہوتی تو میں نہیں ہوتی
ماں تو بے شک ہے اپنی جان جہاں
انجم آغوشِ تربیت کی پلی
بن گئی آج ایک حسن گراں

صدیق سرمد

اپنی نظروں سے شب وروز گراتا ہے مجھے
میری اوقات کا احساس دلاتا ہے مجھے
اس کے معیار پہ پورا میں اترتا ہی نہیں
زاویے روز بدل کر وہ بناتا ہے مجھے

چارہ گر مجھ کو بظاہر تو کوئی دکھ نہیں ہے
میرے اندر کا کوئی کرب رلاتا ہے مجھے
مجھ سے وابستہ مرے گاؤں کی امیدیں ہیں
روشنی جس کو ہو درکار! جلاتا ہے کوئی
میں کوئی اتنا بھی انمول نہیں ہوں سرمد
جتنا دنیا کی وہ نظروں سے بچاتا ہے مجھے

سید کاشف کاظمی

نہیں ہے ایسا کہ سردار مجھ پہ ہنسنے لگے
ہوا ہے دکھ کہ مرے یار مجھ پہ ہنسنے لگے
جو دیکھ کر مجھے اِس پار رو رہے تھے وہی
میں جب پہنچ گیا اُس پار مجھ پہ ہنسنے لگے
تُو چاہتا ہے تری جھوٹی شان لکھوں میں
تو یہ قلم یعنی تلوار مجھ پہ ہنسنے لگے؟
حضورؐ آپ کی بیٹی کی قبر کا پوچھا
حضورؐ آپ کے دیں دار مجھ پہ ہنسنے لگے
جو پوچھا عشق کی منزل ابھی ہے کتنی پرے
تو میرے قافلہ سالار مجھ پہ ہنسنے لگے
میں خالی جیب ترے ساتھ جا تو سکتا ہوں
پر ایسا نہ ہو کہ بازار مجھ پہ ہنسنے لگے؟

تنویر عباس تھہیم

یہی ہے طور یہی کاروبار اپنا ہے
کسی کی یاد میں سینہ فگار اپنا ہے
کسی صلے کی توقع نہ ہے غرض کوئی
عبادتوں کی طرح سے یہ پیار اپنا ہے
ہمارے اپنے ہی شمشیر زن رہے ہم پر
لگا جو عین جگر پر وہ وار اپنا ہے
میں دشمنوں کے علاقے میں بچ نکل آیا
جہاں پہ مارا گیا ہوں دیار اپنا ہے
جفائیں کرتا رہے اس کو زیب دیتا ہے
دعائیں کرتا رہوں گا کہ یار اپنا ہے
جو چاہے کہہ لے زمانہ مجھے نہیں پرواہ
کہوں گا میں تو یہی بار بار اپنا ہے
ترے کرم سے ہے تنویر کو ملی عزت
سخنوروں کی صفوں میں شمار اپنا ہے

انجیل صحیفہ

اس سے پہلے کہ ساقرے شک جائیں
دوست! اچھی طرح بھڑک جائیں
دیکھنے سبز حیرتوں کے شجر
ایک ویران سی سڑک جائیں
چل تری آنکھ کی تلاشی لیں
چل ذرا تیرے خواب تک جائیں
پھر سے ملتے ہیں پہلی بار جہاں
بات کرتے ہوئے جھجک جائیں
مجھ کو معلوم ہے سفر میرا
راستوں سے کہو بھٹک جائیں
باپ دستار پاؤں میں رکھ دے
اور بیٹی کے سارے حق جائیں
چاند خاموشی چاہتا ہو مگر
ہاتھ میں چوڑیاں کھنک جائیں
زندگی امتحان ہے جس میں
یاد رکھے ہوئے سبق جائیں
ہار جائیں انا کی یہ بازی
ہم بھی پلکیں اگر جھپک جائیں

کاشف رحمن تبسم

درد سے میرے نہ تم کو بے قراری ہے
پھر بھلا کیسی تری یہ غم گساری ہے
مبتلائے عشق کی آخر کیا زندگی ہوگی
بڑی لاعلاج سی کوئی بیماری ہے
یوں تو کئی بہار آئے اور چلے بھی گئے
پر یہاں دل میں خزاں کی پائیداری ہے
یہاں مقتول پہ کون روئے گا اے ظالم!
ہر سو آج یہاں قاتل کی طرف داری ہے
تری آنکھوں میں تبسم ہم نے دیکھا ہے
ترے تبسم کی پناہوں میں آہ و زاری ہے

زرّیں منور

درد سہتی ہوئیں گُنی آنکھیں
کس نے دیوار میں چُنی آنکھیں
لوگ آنکھوں میں خواب بُنتے ہیں
ہم نے اِک خواب میں بُنی آنکھیں
تُم نے کُچھ دیر اُن کو دیکھا بس
ہم نے تو دیر تک سُنی آنکھیں
عکس غیروں کا ان میں دیکھا تو
ہائے کتنا جلی بھُنی آنکھیں
دل کے ارمان سر کتے ہیں زریں
میں نے اشکوں سے جب پُنی آنکھیں

حمد۔ طیبہ شہناز کریم لندن

تو رحیم ہے تو کریم ہے تو بصیر ہے تو حلیم ہے
تری آرزو مری زندگی تو ہی میری عقلِ سلیم ہے
تیرے آبشاروں میں گیت ہیں تیری چاند تاروں میں روشنی
میں نظر اُٹھاؤں جہاں جہاں ہے نظر میں تیری ہی دلکشی
تو نظر سے جتنا بھی دور ہو میرے دل سے اتنا قریب ہے
تو ہے مہرباں تو ہے پاسباں تو ہی میرا ربّ حبیب ہے
میں رواں ہوں دشتِ حیات میں مجھے ظلمتوں کا خطر بھی ہے
مجھے اپنا اب بنا بھی لے میرا دل غموں کا اسیر ہے
میرے دل میں تو ہی بسا رہے تیری یاد ہی میں سکون ہے
تیرے در پہ ختم ہو زندگی مجھے صرف اتنا جنون ہے
رگِ جاں سے تو قریب تر میرے دل میں ہے تیرا گھر بسا
تجھے شاعری میں بیاں کروں مجھے علم و فن بھی وہ کر عطا

کچّا گھڑا۔ بسم اللہ کلیم

کچّا گھڑا اے جیوَنڑ میرا ایہہ دُنیا پانڑی مُنہہ زور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور
تُوں کھیتاں کھلیاناں اندر آس اُڈیک کِساناں اندر
روندے سِکدے بچیاں دےلئی ماوں دے پِستاناں اندر
تُوں پنجاب دی مِٹّی دے وِچ مَکّے دے اسماناں اندر
تُوں نَبیاں دِیاں شاناں،اندر وَلیاں دے دیواناں اندر
تُوں ہی باھُو دی ھُو ایں تے، بُھلّے دی بُکّل دا چور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور
تُوں میری آواز دا مالک، سوز دا مالک ساز دا مالک
میرے قلم، دوات،کِتاب تے سوچنڑ دے انداز دا مالک
نیڑے وی ہر شَے تیری اے تُوں ایں دُور دراز دا مالک
میرے پَراں، پرانڑاں دا تے تُوں میری پَرواز دا مالک
اُڈدے اُڈدے میں نہ تھکّاں آجا کھیڈیئے چَنّ چکور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور
میریکھر ویا کھراں نُوں تُوں پُھلّاں دی مِہکار جی بخشیں
میٹوں اپنڑاں عشق جے بخشیں میٹوں اپنڑاں پیار جے بخشیں
دووِیں رَل مِل پِیھنگاں پائی مصُحبت اپنڑی یار جی بخشیں
اپنڑِ یاں راہس واں چلنڑ نُوں تُوں میٹوں ساہس واں چار جی بخشیں
ایویں تیری ٹور ٹُراں جِیوں ہِیر ٹُری رانجھنڑ دی ٹور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور
میں تیرا کوئی راز نہ مَنگاں کوئی ناز نیاز نہ مَنگاں
تیرے نَبیاں وَلیاں والا میں کوئی اعزاز نہ مَنگاں
کوئی نَویں کِتاب نہ مَنگاں، کوئی نَوِیں نماز نہ مَنگاں
جے تُوں میرے دِل وِچ ویکھیں ہور کوئی ہمراز نہ مَنگاں
جَد تُوں میرے دِل دا سائیں میں جُئی کونڑ سُہاگن ڑہور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور
کچّا گھڑا اے جیوَنڑ میرا ایہہ دُنیا پانڑی مُنہہ زور
ڈُبدے تَردے میں تَر وَیساں جے تیرے ہَتھ میری ڈور

عباس ثاقب

تنہائی سے چیخ رہے ہیں پورا چندر، روشن رات
تاروں کا اک کال پڑا ہے کون کرے گا چاند سے بات
اک جگنو کیا ہاتھ لگا سورج کی خواہش کرنے لگا
دل سادہ تھا اس کے بِرتے بھول گیا اپنی اوقات
اپنے اپنے ٹھور ٹھکانے اپنے اپنے موسم ہیں
تم ہو پھول نگر کے باسی ہم ٹھہرے پت جھڑ کے پات
میں شاعر ہوں میری خاطر پاک پوتر ہے ہر دھرتی
میرا ساغر چھلکاتا ہے راوی، گنگا اور فرات
اُلجھے الجھے یاد کے دھاگے، بکھرے ریشے لمحوں کے
تیرے دُوارے آن کھڑے ہیں، لے، بڑھیا! اب چرخہ کات!
عشق اک ایسا کھیل ہے پیارے! جس کی اپنی چالیں ہیں
جس جا بازی جیت پہ آئی، اُس جا دل نے مانگی مات
کتنے نوحے گونج رہے ہیں چڑیوں کی چہکاروں میں
شہروں کا یہ شور شرابہ نگل گیا میرے دیہات
اب تو ثاقبؔ! ایک اکیلی جان پہ جوکھم جھیلنے ہیں

قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کے زیراہتمام
پنجابی زبان میں آن لائن مشاعرہ

رپورٹ:
عبدالحمید حمیدی کنیڈا

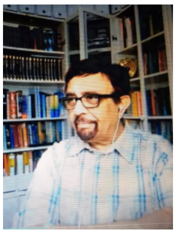
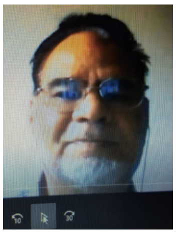
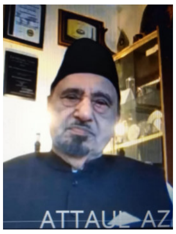
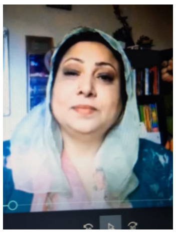

قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کے زیراہتمام پنجابی زبان میں ایک آن لائن مشاعرہ 16 اگست 2020 کو منعقد ہوا۔اس مشاعرے کی صدارت سرڈاکٹر افتخار احمد آیاز صاحب نے فرمائی۔آپ ایک بہت بڑے مصنف ۔ایک سفارت کار،ایک زبردست ادبی،سماجی شخصیت،حکومت بر طانیہ کی طرف سے آپ کو OBE اورKBاورسر کے خطاب سے نو ازا گیا۔آپ نے ازراہِ شفقت قندیل شعروسخن انٹرنیشنل لندن کی دعوت کوقبول کر تے ہوئے صدارت کے فرائض سرانجام دیئے۔پروگرام کی میز بانی حسبِ سابق رانا عبدالرزاق خاں صاحب نے کی اور مہمانوں کوخوش آمدید کیا۔

٭۔سب سے پہلے رانا صاحب نے اسحاق عاجز کونعتِ رسول مقبول ﷺ پیش کرنے کی دعوت دی اوراسحاق عاجز صاحب نے پنجابی میں نعت کا خوب حق ادا کیا۔

درِپاک رسول تے آپہلوں جنہوں لعب دایار خدا پہلوں
تیراسر آپے جھک جاوے گا دل ادب دے نال جُھکا پہلوں

٭۔اس کے بعد خالد محمود صاحب نے خوبصورت کلام پیش کیا۔

کلی جند تے دکھ ہزار ایہہ ونڈاں یا کولے رکھاں
ساہواں ملیاں چاراُدھار ایہہ ونڈاں یا کولے رکھاں
میں نے الیہہ ویکھیا یارو سجن مار دے گھُسی مار

٭۔راناعبدالرزاق خاں صاحب نے بھی خوب پنجابی میں رنگ لگایا۔

سڑ گئے نے پروانے لکھاں۔۔۔پھڑ دی نے دیوانے لکھاں
اس نوں کملا روز اڈیکے۔۔۔۔۔جس دے کول بہانے لکھاں
تیرے ورگے آسی ایتھے۔۔۔۔۔دتے مار زمانے لکھاں

٭۔شائق نصیر پوری صاحب نے محفل کشتِ زعفران بنا ڈالی۔

اُچے نک والی ہووے یا پھینسی کی کرنی
فیر چینی اُتے دی نکتہ چینی کی کرنی
گھر وچ جے نچ رہی ہووے بھُک بھلیا

فیر ٹھوٹھا تھال،چنگیر تے سینی کی کرنی

٭۔خاکسار عبدالحمید حمیدی کو بھی پنجابی غزل پیش کرنے کا موقع ملا جسے حاضرین نے خوب پسند کیا۔

حاصل جندڑی دا سرمایہ دکھاں والیاں پنڈاں
مُک گئی جندڑی ساری پاؤندے رولا رپا ڈنڈاں
وچ بازاراں سُکھاں دی ہٹی کوئی کھولاں
جی کردا اے گلی گلی وچ ہاسے خو شیاں ونڈاں

٭۔ظفر اعوان صاحب کودعوت کلام دی گئی۔جن کے تین پنجابی مجموعے آچکے ہیں۔

ایہو دسیا لالہ مینوں۔۔۔او نفی اسباب چ رہندا اے
تے مومن ہوون دے لئی ظفری۔۔۔کافر وی ہونا پیندا اے
رنگاں دے وچ کھول کے چیکاں۔۔۔ہجر دیاں تصویراں لیکاں

٭۔پاکستان سے عطاالعزیز صاحب نے شمولیت اختیار کی۔

دُھپاں دے وچ رُکھ ورگا اے۔۔۔دُکھاں دے وچ سکھ ورگا اے
تارا سرگی ویلے داوی۔۔۔بالکل تیرے رُخ ورگا اے

٭۔بشارت ریحان صاحب نے خوبصورت کلام پیش کیا۔حاضرین سے خوب داد پائی۔

آ اک واری فیر اسی آپس وچ جھپیاں پالئی اے
اک دوسرے نال نہ وچھڑن دیاں سچیاں قسماں کھالئی اے
اپنے سارے دکھ سکھ وی اَسیں آپس وچ ونڈ الئی اے
بُغض کدورت کڈھ کے دل وچوں پیار محبت پالئی اے

٭۔اصغر خیالی صاحب کا انوکھا انداز لوگوں کو حیران کر گیا۔

سمجھ نہ آوے مینوں لکھ دی۔۔۔دل دی سُناں یا مناں اکھ دی
عشق ملاپ دا عادی مجرم۔۔۔عقل بے عقلی عادی وکھ دی

*۔اسحاق ساجد صاحب نے پہلی بار پنجابی میں طبع آزمائی کی۔

رُت پیار دی آئی پیارے۔۔۔مینوں مِٹھا گیت سُنا
دل دا بھید دیواں گا تینوں۔۔۔ذرا تو نیڑے آ

*۔افسانہ نگار، ناول نگار اور نظم وغزل گو شاعرہ محترمہ دلشاد نسیم صاحبہ کا کلام ملاحظہ ہو۔

جے زندہ کیتا اے وکھ سائیاں۔۔جند ہوگئی میری ککھ سائیاں
میں کجل تیرے نیناں دا۔۔مینوں اکھیاں دے وچ رکھ سائیاں

*۔فرانس سے کئی کتابوں کی مُصنفہ، ٹی وی اینکر، خوبصورت کلام کی حامل شاعرہ۔اُن کے چار مجموعہ کلام آچکے ہیں۔ممتاز ملک صاحبہ نے شاندار کلام پیش کیا۔

دل والا چرخا چلا کے میں ویکھیا۔۔رب کولوں دور وی جا کے میں ویکھیا
کتے وی نہ سکھ مِلے جندڑی نمانی نوں۔۔کوئی وی اخیر نہیں دکھ دی کہانی نوں
ترلا وی غماں اگے پا کے میں ویکھیا۔۔دل والا چرخا چلا کے میں ویکھیا

*۔خضر حیات خضر صاحب نے کچھ اس طرح سے اشعار سُنائے۔

مِٹھی اے من ٹھار دی گل۔۔۔رب تے اوہدے یار دی گل
قران وچ تھاں تھاں کردا اے۔۔۔رب اپنے دلدار دی گل

*۔بارہ کتابوں کے مصنف ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب کا نرالا انداز۔

ہر یالیاں مُڑ جانڈاں۔۔۔باغے وچ خزاں آئی
سک پتیاں اُڑ جاناں۔۔۔غم دل وچ لکدے نہیں
راتاں تے اندھیریاں نیں۔۔۔ہر راز تے پا پردہ خوشیاں فیر تیریاں نہیں

*۔محمد صدیق حیرت صاحب پاکستان سے شامل ہوئے۔مگر آواز کا رابطہ جلد منقطع ہوگیا۔

*۔پنجابی ادبی تنظیم پنج ند کے سربراہ، چُپ دی بُکل کے خالق امجد علی شاکر عارفی صاحب نے نہایت شاندار اور ٹھیٹھ پنجابی کلام پیش کیا۔

بھُل گئے مینوں یار تریکاں فیر اُڈیکاں
ہک ہک ساہ نال جند ترھیکاں فیر اُڈیکاں
اِک اڈیک نوں مگروں لاھیا اُس توں پچھے
فیر اُڈیکاں فیر اُڈ یکاں، فیر اُڈیکاں

*۔اٹلی سے محترم جناب رضا شاہ صاحب نے کلام پیش کیا۔

جس دیس وچ تھاں تھاں اگاں نیں۔۔۔جس دیس درندے پھر دے نیں
جس دیس نوں ظالم دادے دی جاگیر بنائی پھر دے نیں
جس دیس وچ سنگ دل قاتل نوں پیر بنائی پھر دے نیں
اوس دیس ترقی نہیں ہوندی۔۔۔اس دیس تباہی ہوندی اے

*۔محترم عبدالکریم قدسی صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کلام پیش فرمایا۔

اپنا ہر دکھ لوکاں نوں نہیں دسی دا۔۔لوک تے سپ بنالیندے نے رسّی دا
ڈگا نج میں خواب دے محلوں۔۔تعبیراں دے ڈھارے تے
جیویں کولی ٹہنی ٹُٹ کے ڈگ پئے چلدے آرے تے
چھپڑاں دے وچ جدوی مُجھاں بھڑ پیاں
شامت مارے ڈڈوا ویں پھتھے گئے
حال دی اوکڑ اِس دا راہ کی ڈکے گی
مستقبل دے نال جدے دِن مُتھے گئے

آخر میں ناظم مشاعرہ رانا صاحب نے محترم جناب افتخار احمد ایاز صاحب کو خطاب کی دعوت دی۔سر افتخار احمد ایاز صاحب نے نہایت اثر انگیز انداز میں پنجابی زبان کی تاریخ اور شاعری پر روشنی ڈالی اور پنجابی لکھنے والے شعرا کو مشورے دیئے۔اِس خطاب کے بعد مشاعرہ کی محفل برخاست ہوئی اور رانا صاحب نے شعرا کرام اور تمام شاملین کا شکریہ ادا کیا۔

مٹی کے برتن

سب سے زیادہ بیماریاں گلے ہوئے کھانے سے ہوتی ہیں، گلے ہوئے کھانے اور پکے ہوئے کھانے میں فرق ہے(جس طرح ایک سیب پکا ہوا ہوتا ہے، اور ایک گلا ہوا، گلا ہوا سیب آپ آرام سے چمچ کے ساتھ بھی کھا سکتے ہیں، اور اسے چبانا بھی نہیں پڑے گا)

*۔مٹی کے برتن میں کھانا آہستہ آہستہ پکتا ہے۔اس کے برعکس سلور، سٹیل، پریشر ککر یا نان سٹِک میں کھانا گلتا ہے، تو سب سے پہلے اپنے برتن بدلیں، یقین جانیں! جن لوگوں نے برتن بدل لیے، اُن کی زِندگی بدل جائے گی۔

***

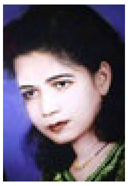

شہرہ آفاق شاعر

شوکت محمود شوکت ۔ فریدہ انجم، پٹنا سٹی

شوکت محمود شوکت صاحب نہ صرف باکمال شاعر اور بے مثال ادیب ہیں بلکہ عمیق بیں استاذِ فن بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے خاندانی روایاتِ شعری کو حقیقی معنوں میں نبھایا ہے، آپ کے والد محترم بھی اپنے دور کے مشہور و معروف شاعر، نثار اور محقق تھے۔ شوکت صاحب نے کم سنی ہی میں مشقِ سخن آغاز کی، ابتدا میں، اپنے والد محترم سے اصلاح لی۔ والدِ محترم کی پدرانہ اور استادانہ شفقت، محبت اور کبھی کبھی کی گوش مالی نے، شوکت صاحب کو صرف دو ہی سالوں میں اس رتبے پر فائز کر دیا جو صدیوں بعد نصیب ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ، بچپن ہی سے آپ کی شاعری میں پختگی اور تازہ کاری کے عناصر ملتے ہیں۔ آپ کی دورِ برنا کی غزلیہ شاعری میں، رنگِ تصوف اور رنگِ فقر، صاف نظر آتا ہے۔ آپ کی اولین کتابِ شعری ''زخمِ خنداں'' میں سے چند غزلیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

تاعمر، اس کے واسطے محوِ دعا رہوں — دو بول مجھ فقیر سے بولے جو پیار کے
آؤ کہ ذرا شوکتِ مفتوں کو دیکھیں — کہتے ہیں کہ وہ رونقِ بازار اب تک
راس آیا ہے خرقہء درویش — خلعتِ شہ اُتار دی ہم نے
میں وفا کی راہ میں تنہا نہیں — ساتھ میرے خار، پتھر، دشت ہیں
نہیں ہے مجھے خوفِ دار و رسن — سدا حرفِ حق، برملا میں کہوں
فرازِ طور ہو یا ہو نشیبِ جوئے فرات — نمازِ عشق، کہیں بھی قضا نہیں دیکھی

یاد رہے کہ ''زخمِ خنداں'' میں، آپ کے اوائل عمری کا کلام شامل ہے۔ یعنی آپ کی عمر صرف بیس تھی کہ یہ کتاب مکمل ہوگئی تھی۔ آپ کی شہرت صرف پاکستان تک ہی محدود نہیں بلکہ شمالی ہند (دہلی، لکھنؤ) اور جنوبی ہند (دکن) تک پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کی، نعتیہ شاعری پر مشتمل کتاب ''معراجِ سخن''، واقعی، معراجِ سخن ہے، اس نعتیہ کتاب میں، تریسٹھ، عشق و عقیدت سے مملو نعوت شامل ہیں۔ اب، آپ کی حمدیہ کتاب، ''اللہُ اکبرُ'' کا سرِ نامہ لیے، منصہء شہود پر جلوہ گر ہو رہی ہے جس میں، تہلیل و فاتحہ، ایک حدیثِ قدسی کے منظوم تراجم، دو حمود اور ایک نعت سمیت، ننانوے حمدیہ دو بیتیاں شامل ہیں، یہ سب کچھ شاعرِ باکمال و بے مثال اور استاذِ فن کی ایک سچّی اور سُچّی آواز ہے جو خالقِ کائنات سے عشق و مودّت اور عقیدت و محبت کا بیانیہ و اظہاریہ ہے، شوکت صاحب کی، کتابِ ہٰذا میں مشمولہ تمام حمدیہ دو بیتیاں، الہامی کیفیات سے مستنیر ہیں۔ آپ کی یہ کتاب، حقیقتاً، وہ آفتابِ درخشاں ہے جس کی روشنی سے، تا قیامت، حسبِ توفیق سب فیض پاتے رہیں گے۔ یہ روشنی کا وہ مینار ہے جو اندھیری راتوں میں، اپنی روشنی کے ذریعے گم کردہ راہ کو منزل کے تعین میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔ ان شاء اللہ۔ اگر فنی اعتبار سے شوکت صاحب کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو سنگلاخ زمینوں اور مشکل ترین ردائف اور قوافی میں آپ کے ہم عصر شعرا میں کوئی آپ کا مد مقابل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شوکت صاحب کا کلام بہت زوردار ہوتا ہے۔ آپ کے لکھنے کا اپنا ایک خاص اور اچھوتا انداز ہے۔ ''اللہ اکبر'' (حمدیہ) سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ایسے تخلیق کار کے قلم سے وجود میں آنے والی کتاب ہے جو دنیائے اردو ادب کا گہرا علم، ادراک، فہم اور شعور رکھتا ہے۔ یہی وجہ کہ آپ کے کلام ہٰذا سے بیشتر رموزِ شعری، مترشح ہوتے ہیں۔ آپ نیا اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں بیشتر اشعار کو روحانی قالب میں یوں ڈھالا ہے کہ لگتا ہے کہ آپ سلوک و معرفت کی اعلیٰ منزل پر فائز ہیں اور تقلیدِ عثمان مروندی کو اپنا فخر گردانتے ہیں۔ یہ شعرِ فارسی دیکھیے:

منم آں شوکتِ مفتوں کہ عشقِ تو دوانہ کرد
بریں نازم کہ می دارم رہِ عثمان مروندی

اس جے علاوہ، شوکت صاحب کی درج ذیل حمدیہ دو بیتی ملاحظہ کیجیے اور اندازہ لگائیے کہ آپ شریعت و طریقت کی کس منزل پر ہیں:

خدایا! زور کب میرا ہے دل پر — ترا گھر ہے تیرا قبضہ ہے دل پر
صدا، اللہ ہو کی دل سے آئے — کرم تیرا کہ ہر لحظہ ہے دل پر

شاعر کہ رہا ہے کہ اے خدا میں ایک بے بس اور بے اختیار بندہ ہوں۔ میرا دل بھی میرے بس اور اختیار میں نہیں۔ تو ہی مالک و مختار ہے۔ بس ہر لحظہ، ہر لمحہ، میرے دل سے، دھڑکن کے روپ میں، صدائے اللہ ھو، ہی آتی ہے یعنی، میرا دل بھی تیرے قبضہء قدرت میں ہے اور تیرا ثنا خواں ہے۔ ''اللہ اکبر'' کے شاعر کا فن ہی ایسا ہے کہ حمدیہ دو بیتیاں پڑھتے جائیں اور ہر ہر مصرع پر داد و تحسین کے ساتھ، سبحان اللہ، سبحان اللہ، کا ورد بھی کرتے جائیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ''اللہ اکبر'' (حمدیہ) شوکت صاحب کی گراں قدر تصنیف و تخلیق ہے، جو قابل قدر ہے اور لائق تحسین و آفرین بھی اور یقیناً توشہء آخرت بھی ہے۔ ان شاء اللہ۔

شہزادہ قمرالدین مبشر
ایک ادیب وشاعر کا تعارف

نام شہزادہ قمرالدین مبشؔر ہے اور قلمی نام ''مبشر شہزاد'' ہے۔

مقام و تاریخ پیدائش: پیدائش پاکستان کے شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں مورخہ 22 ستمبر 1951 میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر ٹوبہ ٹیک سنگھ میں اور نواحی شہر گوجرہ میں حاصل کی۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ سے میٹرک اور پنجاب کے دیگر مقامات سے تعلیم کے سلسلہ میں نقل مکانی کی اور ایف۔اے تک صوبہ پنجاب میں قیام کیا۔ یونیورسٹی ٹیوٹوریل کالج لندن سے بی۔اے آنرز کے بعد نارتھ ویسٹ لندن یونیورسٹی سے ڈپلومہ اِن جرنلزم کا کورس اردو میڈیم میں کیا۔ 1975ء سے 1977ء تک لاہور ٹیلی ویژن اسٹیشن میں ٹی وی کیفے ٹیریا مینیجر، اس سے قبل کراچی کے قیصر ہوٹل میں بطور کیشیر ملازمت کا آغاز کیا۔ چند سال کے بعد بعض انٹرنیشنل فرموں میں بھی ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ کراچی میں ملازمت کے دوران کئی اردو اخبارات میں بطور پریس رپورٹر بھی کام کیا۔ نومبر 1977 میں پاکستان کے لیے روانگی ہوئی۔ دنیا کے بہت سے ممالک اور ان کے تاریخی مقامات کی سیر و سیاحت کا موقع بھی ملا۔ ان ممالک میں افغانستان، ترکی، بلغاریہ، چیکوسلواکیہ، مشرقی جرمنی قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں مشرقی برلن سے مغربی برلن اور پھر چند ہفتوں کے قیام کے بعد (مغربی) جرمنی کے تاریخی شہر نیورن برگ میں رہائش اختیار کی۔ جرمنی میں قیام کے دوران مشہور و معروف انٹرنیشنل کمپنی AEG اور LUFTHANSA ایئر لائن میں ملازمت کرنے کے علاوہ ٹریول ایجنسی کا ذاتی کاروبار بھی کیا اور جرمنی کی دیگر کمپنیوں اور فرموں میں بھی ملازمت کرنے کا موقع ملا۔ جرمنی میں قیام کے دوران متعدد اخبارات و رسائل اور جرائد میں دینی، علمی، مذہبی و اخلاقی مضامین تحریر کئے۔ 1985ء میں جرمنی سے ''فرینڈز انٹرنیشنل'' کے نام سے ایک اُردو رسالہ جاری کیا اور اس میگزین کا خاکسار خود ہی پبلشر اور ایڈیٹر تھا لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے رسالہ جاری نہ رہ سکا۔ علمی، ادبی ذوق کی وجہ سے بے شمار تربیتی، علمی مضامین اور مراسلات قومی، ملکی اخبارات و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں شعر و شاعری میں بھی شغف رکھنے کی وجہ سے خاکسار کا کلام ماہنامہ صدا لندن، ہفت روزہ نوائے وقت، جنگ لندن، دی نیشن اور پاکستان و بھارت کے اخبارات و جرائد میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ فروری 2004ء سے 27 سال جرمنی قیام کے بعد ایڈنبرا کے نواحی علاقے روساتھ میں قیام کے بعد جنوری 2005ء میں گلاسگو شفٹ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شعر و ادب کا ذوق و شوق بچپن سے ہی ہے۔ 1968 میں M.K.A ایسوسی ایشن پاکستان میں سالانہ اجتماع کے موقع پر تقریری مقابلہ معیار اوّل میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ 1988 میں M.K.A ایسوسی ایشن لندن میں پانچویں یورپی اجتماع کے موقع پر سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر تقریر کر کے تقریری مقابلہ میں یورپ میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ 2007 میں ایک معروف ادبی تنظیم بزم شعر و نغمہ کی جانب سے یوم پاکستان کے موقع پر 14 اگست کے حوالہ سے نظم لکھنے کے مقابلہ میں سکاٹ لینڈ میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ 2008 میں N.H.S کے ذیلی ادارہ ''پروجیکٹ امپاور'' کے زیر اہتمام معذور افراد کی دیکھ بھال کے بارے میں نظم اور مضمون نویسی کے مقابلہ میں سکاٹ لینڈ میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ 2009 سے گلاسگو سکاٹ لینڈ کے ایشین ریڈیو اسٹیشن ''آواز ایف ایم'' کے پروگرام علم و ادب کا پریزنٹر مقرر رہا۔ 2011 میں گلاسگو میں ایک نئی قائم ہونے والی ادبی تنظیم بزم علم و ادب کا چیئر پرسن مقرر رہا۔ 2012 میں گلاسگو سکاٹ لینڈ سے شروع ہونے والے ایک نئے اردو ادبی میگزین سہ ماہی علم و ادب کا ایڈیٹر مقرر ہوا۔ شعر و ادب سے ذوق و شوق بچپن سے ہی ہے۔ نوجوانی میں اہلِ ادب ہستیوں کی صحبت سے حد درجہ فیضیاب ہوا۔ ان میں سے کئی حضرات سے ذاتی رفاقت بھی رہی جن میں ڈاکٹر منور احمد کنڈے، لئیق احمد عابدؔ، جمیل الرحمٰن جمیلؔ، پروفیسر ڈاکٹر عبد الکریم خالدؔ اور سید خالد احمد شاہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں لیکن مخصوص شناساؤں میں جناب ثاقب زیروی صاحب اور عبید اللہ علیم صاحب کی صحبت نے میرے کلام میں زیادہ تقویت بخشی۔ پی ٹی وی لاہور میں ملازمت کے زمانے میں احمد ندیم قاسمی صاحب کی محفلوں میں بہت کچھ سیکھا۔ صحافت میں دلچسپی ثاقبؔ صاحب کی وجہ سے رہی جس کے لیے میں ان کا ہمیشہ احسان مند اور دعا گو رہوں گا۔ اللہ ان کو فردوسِ بریں میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ کراچی میں ہمارے ہمسائے ہر طبقہ فکر میں ہر دلعزیز جناب عبید اللہ علیم کی مترنم شاعری سے ہمیشہ محظوظ ہوا۔ بچپن میں یہ شعر میں عموماً گنگنایا کرتا تھا: چاہتا ہوں کہ دنیا میں میں کوئی کام کر جاؤں اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں باقاعدہ شاعری کا آغاز یورپ میں ہی آ کر کیا۔ میں جرمنی میں 28 سال رہا اور سکاٹ لینڈ میں 2004 سے رہ رہا ہوں۔ کیفیتِ قلبی کا اظہار کسی نہ کسی رنگ میں بہر حال ہوتا رہا ہے۔ میری شاعری کا پہلا مجموعہ ''حرفِ مبشرؔ'' پیش خدمت ہے۔ میرے نزدیک شاعر کا مطلب کسی صاحبِ شعور شخص کا نام ہے جو اپنی طبیعت میں غم و غصہ، خوشی و مسرت اور دیگر احساسات کی کیفیات کو منظوم کرتا رہتا ہے۔ جہاں تک شاعری کی بات ہے شاعری بلکہ اچھی شاعری کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دل کی آواز ہوتی ہے۔ اس لیے شاعری کو انسانی کیفیات کے اظہار کا موثر ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ''حرفِ مبشرؔ'' اسی پس منظر میں ایک چھوٹی سی جھلک آپ کی خدمت میں پیش ہے جس میں دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے اشعار اور مافی الضمیر خیالات کا اظہار مختلف حمدیہ، نعتیہ کلام اور نظموں اور غزلوں کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ امید ہے کہ آپ قارئین میری اس ادنیٰ سی کاوش کو پسند کریں گے اور میری حوصلہ افزائی بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا عطا فرمائے۔ بہت بہت شکریہ۔

آہ ساحر شیوی

امجد مرزا امجد

بہت افسوس سے اطلاع دی جارہی ہے کہ برطانیہ کے ادبی افق سے آج ایک ستارہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ آپ کا ادبی نام ساحر شیوی تھا جنھوں نے اپنی ساری زندگی برطانیہ میں اردو کی خدمت میں گزار دی جبکہ ان کی مادری زبان اردو نہیں تھی۔ آپ لوٹن شہر میں مقیم تھے 17 ستمبر 2020 کو طویل بیماری کے بعد ہسپتال میں انتقال ہوا اور دوسرے دن لوٹن کے قبرستان میں سپردخاک کئے گئے۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

اصل نام عبداللہ تھا دسمبر 1936 میں ضلع رتنا گیری، کوکن مہاراشٹر بھارت کے ایک گاؤں شیوء میں پیدا ہوئے۔ ادبی نام ساحر شیوی سے لکھتے تھے۔ 18 مارچ 1954 کو نیروبی، کینیا افریقہ گئے۔ دس برس کے بعد کراچی منتقل ہوئے مگر وہاں سے تین سال کے بعد دوبارہ نیروبی چلے گئے۔ ٹرانسپورٹ کا ذاتی کام تھا نیروبی میں بھی ادبی محلفوں کا انعقاد اور ادبی رسالوں کی معاونت کرتے تھے۔ جب وہاں آزادی کی مہم چلی تو ایشائی لوگوں کے ساتھ مقامی لوگوں کا روّیہ اس قدر سخت اور ظلم کی حد تک جا پہنچا کہ ساحر بھائی پر پانچ بار قاتلانہ حملے کئے گئے۔ اپنے جوان بیٹے کی جہاز میں حادثاتی موت نے بھی انہیں دکھی کردیا تو وہاں سے ہجرت کر کے جون 1994 میں برطانیہ کے چھوٹے سے شہر لوٹن میں آن آباد ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

اپنی بے پناہ ادبی خدمات کے اعتراف میں امریکہ میں پرنس کرمٹ ولیم کی ایک انسٹیٹیوٹ نے انہیں ڈاکٹریٹ کے اعزاز سے نوازا۔ اس کے علاوہ ایک طویل فہرست ہے ان ادبی ایوارڈز اور اعزازات کی جو انہیں برطانیہ، امریکہ، ڈنمارک، انڈیا اور پاکستان سے ملے، جس کے لئے کئی صفحات درکار ہیں۔ اسی طرح ان کی تصانیف کی بھی ایک لمبی فہرست ہے۔ جس میں سب سے اعلی وارفع کام برطانیہ کا ادبی مجلہ ''ماہنامہ پرواز'' جس کا شاید آخری شمارہ اکتوبر کا شائع ہوا جو ان کے نام ادبی گوشہ تھا مگر افسوس کہ اس کو دیکھنے سے پہلے ہی اس جہان فانی کو چھوڑ گئے۔ بائیس سال سے ہر ماہ کو جاری رہنے والا برطانیہ کا صفِ اول کا ادبی مجلہ تسلیم کیا گیا اس کے علاوہ ان کی ادارت میں 2000 تک ماہنامہ صدا اور سہ ماہی سفیر، سہ ماہی ترسیل، ہائیکو ورلڈ کراچی، سہ ماہی ماہیا روپ کراچی اور ماہنامہ آئینہ برطانیہ تاحال جاری ہیں۔ ان کی شعری تصانیف جواب تک منصۂ شہود پر آچکی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ ''نیم شگفتہ، وقت کا سورج، صحرا کی دھوپ، پردیس ہمارا دیس، سلسلہ منتشر خیالوں کا، پانچواں آسمان، ابھی منزل نہیں آئی، وسیلۂ نجاب، وادی کوکن، کوکن کی خوشبو، خاکِ مدینہ، دوہے کوکن کے، دیواروں کے کان، کوکن میرا مہان، جگ بوڑھی کی لہریں، گیت میرے کوکن کے، بہارِ کوکن، صدائے کوکن۔'' اسی طرح ان کی نثری تصانیف بھی لاتعداد ہیں جن میں، سات سمندر پار کا شاعر، متعلقات کالی داس گپتا، کالی داس گپتا رضا شخص اور شاعر، کیچ برڈ (افسانے) مجلہ ملینیم، متعلقات انور شیخ'' اس کے علاوہ ان گنت مضامین ہیں جو شعر وادب اور دیگر شعراوشاعرات پر لکھے گئے اور شائع ہوئے۔ اسی طرح ساحر شیوی پر بھی ادبا نے بے شمار کتابیں لکھی ہیں جن میں ہاشم عبدالرزاق دھامسکر نے ''ساحر شیوی حیات اور شاعری ممبئی یونیورسٹی سے ایم فل کا مقالہ لکھا، ڈاکٹر مظفر حسن عالی نے 'نغمۂ وحدت کا شاعر ساحر شیوی، ڈاکٹر فراز حامدی نے 'کوکن کی سیر جس میں ساحر شیوی کے ماہیے ہائیکو پر ناقدین کے تبصرے شامل ہیں، ڈاکٹر جمیلہ عرشی نے 'کوکن کا مسافر، عبداللہ ساجد نے 'کوکن کا سحر انگیز شاعر، ڈاکٹر سیف سرونجی نے 'ڈاکٹر ساحر شیوی اور ان کے ادبی کارنامے'، ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے 'ساحر شیوی کا تخلیقی منظر نامہ' ڈاکٹر عبید حاصل نے 'کوکن کا روپ' شامل ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار ناقدین نے ان کی شاعری پر مضامین لکھے جن کو اگر کتابی شکل دی جائے تو مزید درجن بھر کتابیں بنتی ہیں۔

ساحر شیوی کی ادبی سرگرمیاں بھی قابل ذکر اور تقلید ہیں۔ وہ کوکن اردو رائٹرس گلڈ کے صدر تھے۔ اسی طرح کینیا اردو سینٹر نیروبی کے نائب صدر رہے، یورپین اردو رائیٹرز سوسائٹی کے تاحال صدر تھے۔ اردو ٹرسٹ برطانیہ اور کونی مسلم کمیونٹی لیوٹن کے ٹرسٹیز، اور کوکن مسلم ورلڈ فاؤنڈیشن کے بھی صدر رہے، بہادر شاہ ظفر کی میت کو رنگون سے دہلی لانا اور ان کی تدفین کرنے کے لئے جو انٹرنیشل کمیٹی بنی وہ اس کے نائب صدر تھے۔ اسی طرح ان کو بے شمار ایوارڈ ان کی طویل ادبی خدمات پر ملے، مہاراشٹر اردو اکیڈیمی نے 1988 میں 'صحرا کی دھوپ' فیض احمد فیض نے 'صحرائے افریقہ کا نقیب' کا اعزاز دیا ڈنمارک میں 1998 میں جشن ساحر شیوی منایا گیا، ڈنمارک میں ہی 'بیسٹ پوئٹ آف یورپ' کا خطاب ملا، خطابات اور ایورڈز کی اتنی طویل لسٹ ہے جس کیلئے مزید کئی صفحات درکار ہیں۔ دعا ہے اللہ پاک ان کو غریق رحمت کرے اور ان کے اہل خانہ اور تمام ادبی احباب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

***

حکمت کے موتی۔

آفتاب احمد شاہ

۞۔الفاظ کی بے قدری جتنی محبت کرنے والے کرتے ہیں اتنا تو ایک ریڑھی بان بھی نہیں کرتا ہوگا۔وہ الفاظ جو شرینی میں ڈوبے ہوتے ہیں جن میں رچاؤ ہوتا ہے دیوانگی ہوتی ہے اپنائیت ہوتی ہے وہی الفاظ جب بے ضمیری کے طعنوں سے لبریز ہوں تو ماضی کے طوفانِ بدتمیزی کو دوسرے فرد کے منہ پر دے مارتے ہیں وقت کیوں کہ سدا ایک جیسا نہیں رہتا اس لیے الفاظ کی قیمت بھی بازار میں موجود اشیاء کی مانند اتار چڑھاؤ کا شکار ہوجاتی ہے اور وہ رشتے جو مہنگے ہونے کے باوجود ستے عمل کی بھٹی پر سینکے جائیں وہاں الفاظ ماتم کناں نہ ہوں تو دل وجگر ضرور ماتم کناں یوتے ہیں۔

۞۔ زندگی سے چھیڑ چھاڑ کرنے والوں کو ٹوکنا نہیں چاہیے بلکہ ان کو موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنے عمل سے ایک نئے تجربے کی بنیاد رکھیں یہ تجربہ تلخ بھی ہوسکتا ہے دلچسپ بھی ہوسکتا ہے اور دردناک بھی لیکن حقیقت حال کم از کم انسانوں کی پہچان کروادے گی۔زندگی میں سب کو موقع دیں کہ وہ آپ سے فیضیاب ہوسکیں لیکن خود کو اس طرح رکھیں کہ آخری قہقہہ آپ کا ہو ورنہ تکلیف کا تھپیڑا مسکراہٹ کے ساتھ احساس کو بھی ابدی نیند سلادے گا۔

۞۔عقل اور شعور خریدے نہیں جاسکتے لیکن مشاہدہ اور مطالعہ اس صلاحیت کو جلا بخشتا ہے اور بزرگوں کی صحبت تجربے کی افادیت بڑھادیتی ہے لیکن اگر یہ سب نہ بھی ہوں تو ایک اچھی کتاب زندگی کا حاصل بھی بن سکتی ہے کتاب علم اور مشاہدے کا نچوڑ ہوتا ہے جو تجربے کی کسوٹی پر پرکھ کر سامنے آتی ہے۔

۞۔ہم واویلا کرتے ہیں کہ معاشرہ خراب ہے تربیت کا معیار نہیں اور تعلیم کا کوئی فائدہ نہیں ہورہا۔لیکن ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جس معاشرے میں تربیت کا بیڑا میڈیا یا اورٹی۔وی کے زمہ ہو وہاں پر گلہ فضول ہے۔جہاں پر فیس بک استاد کا کردار ادا کرے اور واٹس ایپ کھانے سے زیادہ اہم ہو وہاں پر شکوہ بنتا ہی نہیں۔جہاں جدت اور قدامت آپس میں دست وگریبان ہو اور کسی کو یہ سمجھ نہ آرہی ہو کہ کون جیتے گا وہاں دلیل فضول ہے۔جس معاشرے میں جھوٹ اور دغا جائز ہو وہاں نصیحت ہمیشہ ڈھونگ اور تمسخر میں لپٹی لاؤڈ سپیکروں کی شان بڑھانے کے کام ہی آتی ہے۔

۞۔ادھار سوچ کے مالک افراد کبھی بھی مستقل دلوں میں گھر نہیں کرسکتے ہیں۔مانگے کا خیال اور مستعار لی فکر وبال جان بن جاتی ہے۔اصل چیز وہ نیا پن ہے جو ندرت عطا کرتا ہے اور یہ تبھی ممکن ہے جب سوچ کو ادھار لینے کی بجائے راہ اور راستہ بنانے کی کوشش کی جائے۔کبھی کتاب انسان کی آنکھوں کا کام دیتی تھی اور جب مختلف آنکھوں سے دیکھا جاتا تھا تو خیال کی رنگینی قائم رہتی تھی۔آج کتاب کا وجود تو ہے لیکن وہ آنکھیں نہیں جو حقیقی آنکھوں کے عکس کو اپنی آنکھوں کو حصہ بنا لیں۔

۞۔غلط فہمی تب جنم لیتی ہے جب اندازہ لگا کر جلد فیصلہ کرلیا جاتا ہے جبکہ کسی کو جانتے اور پرکھنے میں تمام عمر گزر جاتی ہے انسان تو خود کو تمام عمر سمجھ نہیں پاتا تو پھر دوسروں کو پرکھنے کا پیمانہ اتنا تلخ اور جلد بازی پر مبنی کیوں رکھتا ہے؟ لوگوں کو عقل اور صبر کی آنکھ سے دیکھیں گے تو حقیقت کا آئینہ خود ہی روشن ہوجائے گا۔

۞۔دوستی کی پرکھ کبھی تو چند لمحوں میں ہوجاتی ہے اور کبھی سالوں بعد بھی پہچان کا عمل جاری رہتا ہے۔کیوں کہ دوستی شفاف جھیل کی مانند ہے جہاں پر غیبت کی دھول، جھوٹ کا کچرا، دھوکے کا کیچڑ، بیوفائی کی مٹی، بدزبانی کا گند اور مطلب پرستی وبےحسی کا کوڑا کبھی بھی ٹھہر نہیں پاتا اور اگر وہ دوستی کی شفاف جھیل میں جگہ بنالے تو پھر دوستی کا غبار وقت کے شکنجے میں ملیامیٹ ہوجاتا ہے۔دوست سب کے بنیں لیکن اپنے لیے کوئی ایک ایسا شخص ضرور تلاش کرکے رکھیں جسے دوست کہتے ہوئے فخر سے سینا چوڑا اور گردن بلند رہے۔

۞۔بعض لوگ محبت کا استحصال اپنا حق سمجھتے ہیں اور بعض لوگ محبت بانٹنا اپنا حق سمجھتے ہیں بات صرف اس سوچ کی ہے جو کسی کے جزبات کو کوئی مقام عطا کرواتی ہے زندگی میں کچھ لوگ ایسے بھی شامل ہوجاتے ہیں جو ہمیں بتاتے ہیں آپ ان کے لیے مرہی کیوں نہ جائیں وہ اپنی اوقات ضرور دکھائیں گے ایسے لوگوں کی مثال اس بچھو کی ہوتی ہے جس کو ہتھیلی پر بٹھانے کا انجام رگوں میں اترنے والا زہر ہوتا ہے۔

۞۔اخلاق صرف دل نہیں جیتتا بلکہ انسان کی پہچان بھی کرواتا ہے نیک ہونا انفرادی فعل تو ہوسکتا ہے لیکن ایسی نیکی کس کام کی جو دوسروں کی خوشیوں کو برباد کرکے کی جائے؟ اخلاق نیکی کا لباس ہے جو نیکی کی چمک کو بڑھادیتا ہے اور حقیقی کردار کی عکاسی کرتا ہے۔بااخلاق انسان دلوں میں زندہ رہتا ہے اگرچہ پاس موجود ہو یا نہ ہو۔

۞۔نااہلی کا تعلق نہ تو کم عقلی سے ہے اور نہ ہی تعلیم کی کمی سے ہے بلکہ نااہلی اصل میں کم نگاہی اور خود نگاہی کا شاخسانہ ہوتی ہے۔کبھی بھی نااہل آدمی خود کو عقل اور عمل کے پیمانے پر پرکھنے کا ہنر نہیں رکھتا یہی وجہ ہے ایک نااہل انسان کے فیصلوں سے نسلیں متاثر ہوسکتی ہیں وہ چاہے تو ملک پر مسلط ہو یا پھر کسی ادارے یا خاندان کا سربراہ ہو۔نااہلی بھی ایک بیماری ہے جس کا علاج وقت کا زوردار تماچہ ہے۔

***

شعر کی اثری کیفیت (آفتاب شاہ)

شاعری ایک مشکل کام ہے اور اس وقت تو اور بھی مشکل ہو جاتا ہے جب عروض کی بیڑیاں اشعار کے وزن کو بیوزن ہونے نہیں دیتیں۔ خیال اور مضمون کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا نہ ہی عروض کے اس نظام سے پہلو تہی کی جا سکتی ہے جو شعر کی بندش میں کارفرما ہوتا ہے یہ نظام ساختیاتی ہو لسانی ہو یا پھر پسِ ساختیات کا حامل ہو ان موضوعات پر نہ صرف بحث ہو چکی ہے بلکہ اس پر نئے دبستانوں کی بنیاد بھی رکھی جا چکی ہے۔

آج کی بحث شاید ایک نئے تناظر کو پیشِ نظر رکھتی ہو یعنی ایک شعر جب سننے والے اور پڑھنے والے تک پہنچتا ہے تو کیا کیفیت پیدا کرتا ہے اور کیا اس وقت وزن کی کوئی اہمیت ہوتی ہے؟ کیا اس وقت ترنم وزن کی جگہ لے لیتا ہے؟ کیا شعر پڑھنے کے یکساں اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ کیا شعر سننے والا ہر ایک شخص ایک ہی کیفیت کا شکار ہو سکتا ہے؟

ایک بات تو تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ شعر کی بندش ضروری نہیں باکمال ہی ہو تو سننے والے پر اثر ڈالتی ہے۔ بلکہ شعر کی اندرونی اور بیرونی ساخت کے علاوہ بھی ایک نظام کارفرما ہے جو قاری یا سامع کی سوچ، خیال، فکر، ماحول اور پسند ناپسند سے جڑا ہوا ہے۔ شعر کے پڑھنے اور سننے کا بھی الگ اثر ہوتا ہے اور اس بات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس کیفیت کو پرکھا جائے جس میں شعر کا اثر ظاہر ہو۔ مثلاً کوئی ایسا شخص جو حالتِ غم میں ہے اور جب اس کے سامنے خوشی سے بھرپور شعر پڑھا جائے گا یا ترنم سے سنایا جائے گا تو کیا وہ آدمی اتنے ہی مزے سے اس شعر سے لطف اندوز ہوگا جیسے خوشی کی حالت میں ہوتا ہے؟ یقیناً اس کا جواب نفی میں ہوگا۔ یہاں سوال اٹھتا ہے کیا شعر کی بندش میں فرق ہے؟ وزن پورا نہیں؟ چستی اور مضمون اثر انگیز نہیں؟ تو جواب ہے یہ سب چیزیں تو موجود ہیں لیکن کیفیت میں قبولیت کا رنگ نہیں ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا غم کا شعر سنانے پر بھی یہی کیفیت جنم لے گی؟ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس موقعے پر کوئی بیوزن شعر ہی کیوں نا پڑھا جائے لیکن اگر غم کی ترجمانی کرے گا تو قبولیت کا شرف پا جائے گا۔ یقیناً غم کی حالت میں خوشی کا شعر سننے والے پر منفی اثر تو ڈال سکتا ہے لیکن ترجمانی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس شعر کی بندش، چستی، بناوٹ، ہیئت اور مضمون سے لاتعلقی ہی اس شخص کا خاصہ ہوگی۔ عام طور پر ایک فقرہ بولا جاتا ہے کہ شعر کو وزن میں ہونا چاہیے تاکہ اثر پیدا ہو سکے لیکن کیا یہ بات درست ہے کہ وزن کا تعلق اثر سے ہے؟ یا باوزن شعر ہی اثر پیدا کرتا ہے؟

شعر کی تاثیر اور اثر کا وزن سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پڑھنے یا سننے والے کی کیفیت پر مبنی ہوتا ہے۔ بہت سے ایسے اشعار جو عامیانہ سمجھے جاتے ہیں اور جن کے شعراء کا پتہ بھی نہیں ہوتا وہ نا صرف مقبول ہوتے ہیں بلکہ زبان زدعام بھی ہوتے ہیں اس لحاظ سے تو اگر فلمی شاعری کو دیکھا جائے تو بعض اوقات بیسروپا اور لغو الفاظ کا مجموعہ بھی مقبولیت کے جھنڈے گاڑے نظر آتا ہے۔ یہاں وہ ہی نکتہ پھر سامنے آتا کہ سنانے والا اور سننے والے دنوں جو طریق اختیار کرتے ہیں وہ ہی شعر کی اثر انگیزی کو بڑھا دیتا ہے۔ دلچسپ بات یہ کہ ایک گویا یا گانے والا کسی بھی بیوزن شعر کو وزن کی کیفیت میں ڈھال سکتا ہے کیونکہ اس کے پاس جو آواز کا نظام ہے وہ سر یا لے سے شعر کی بیوزنی کیفیت کو وزن عطا کر دیتا ہے۔ اب یہاں کوئی یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ موسیقی کا نظام بھی وزن کی کیفیت سے آشنا ہوتا ہے لیکن میرا ماننا ہے اس نظام سے ناآشنا شخص بھی شعر کی کیفیت کو مقبولیت کی سند عطا کر سکتا ہے۔

***

امجدؔ مرزا امجدؔ

جس دے نال پیار ہووئے اوہ کیویں بھُل جاندا اے
اس دی یاد دے بھانبھڑ دے وچ باقی سب جل جاندا اے
بال کے بتی ساری راتیں بنیرے اُتے رکھدی آں
فیروی خورے کیوں او گھر دی راہواں نوں بھُل جاندا اے
کلم کلی ہو کے جھلّی تیرے لئی کرلاواں میں
جس دے سر دا سائیں نہ ہوئے او ڈاہڈا رُل جاندا اے
لکھ پتی وی ہوکے کیوں پردیساں دے وچ رُلیاں ایں
جس دا اپنا دیس نہ ہووے اوہ کھجل ہوجاندا اے
آجا گھر نوں میریا ماہیا سُکی سینی کھالاں گے
اتھے وی تے کم کرن نال دو ویلے مِل جاندا اے
ماپے راہواں تکدے ٹر گئے دھیاں پُت جوان ہوئے
کل دی آس چہ اج گذاری بھھوں کے کل نہیں آندا اے
یاراں دے وچ بہہ کے اپنے سُر نال گیت سناندا اے
امجدؔ کجھ دیر لئی اپنے دُکھاں نوں بھُل جاندا اے

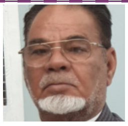

5G کے نقصانات

عاصی صحرائی

اٹلی نے عالمی ادارہ صحت کی پابندی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کورونا سے مرنے والوں کا پوسٹ مارٹم کیا اور کورونا کا معمہ حل کر لیا۔کورونا وائرس نہیں 5G کی تابکاری سے پیدا ہونے والا ایک زہر (بیکٹیریا) ہے...لوگ 5G کی تابکاری سے مر رہے ہیں(اٹلی کی وزارت صحت کی پریس ریلیز سے ماخوذ بشکریہ)اٹلی دنیا کا پہلا ملک بن گیا ہے جس نے کوویڈ 19 میں سے مردہ جسم پر پوسٹ مارٹم کیا اور وسیع تحقیقات کے بعد پتہ چلا ہے کہ کوویڈ 19 ایک وائرس کی حیثیت سے موجود نہیں ہے بلکہ یہ ایک بڑا عالمی گھوٹالہ ہے۔لوگ دراصل ''ایمپلیفائڈ گلوبل 5جی برقی مقناطیسی تابکاری (زہر)'' سے مر رہے ہیں۔

5 جی کی تابکاری کی وجہ سے خون کی رگیں بندھو جاتی ہیں۔رگوں اور اعصاب میں خون جمع ہوتا ہے اور یہ موت کا سبب بن جاتا ہے۔اٹلی کی میڈیکل ریسرچ ٹیم کا کہنا ہے کہ ''ڈفیوز۔انٹراواسکلر کوگولیشن (تھرومبوسس) کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ ایک طبی علاج ہے...اینٹی بائیوٹیکس،اینٹی سوزش اور اینٹی کاگولیٹس یعنی (اسپرین) لینے سے یہ ٹھیک ہو جاتا ہے۔اطالوی میڈیکل سائنسدانوں کے مطابق،وینٹیلیٹروں اور انتہائی نگہداشت کے یونٹ (آئی سی یو) کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔چین اس بارے میں پہلے ہی تحقیقات مکمل کر چکا ہے لیکن اس کی رپورٹ سامنے نہیں لائی گئی۔یہ تابکاری ان لوگوں کو نقصان پہنچا رہی ہے جن کی قوت مدافعت بہت کم ہے۔اطالوی ڈاکٹروں نے ڈبلیو ایچ او کے پروٹوکول پر عمل نہیں کیا اور کووڈ 19 کے ذریعہ ہلاک ہونے والی لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا۔جسم کے مختلف حصوں، بازوؤں،ٹانگوں اور دیگر حصوں کو کھولنے اور جانچنے کے بعد ڈاکٹروں نے معلوم کیا کہ خون کی نالیوں کو خستہ کر دیا گیا تھا اور رگوں میں تھرومبی بھری ہوئی تھی، جس سے عام طور پر خون کو بہنے سے روکا جاتا تھا اور جسم میں آکسیجن کے بہاؤ کو بھی کم کر دیتا ہے جس سے مریض کی موت واقع ہوتی ہے۔اس تحقیق کو جاننے کے بعد اطالوی وزارت صحت نے کوویڈ 19 کے علاج کے پروٹوکول کو فوری طور پر تبدیل کر دیا اور اپنے مثبت مریضوں کو اسپرین 100mg اور ampromacus دینا شروع کیا۔جس کی وجہ سے مریض صحتیاب ہونا شروع ہو گئے اور ان کی صحت بہتر ہونا شروع ہو گئی۔اٹلی کی وزارت صحت نے ایک ہی دن میں 14000 سے زیادہ مریضوں کو فارغ کیا اور انہیں گھر بھیج دیا۔

افسانہ: (مبشرہ ناز)

لمحاتِ وصل کی عجیب داستان تھی

میں پچھلے چند منٹ سے اس سڑک پر کھڑا تھا۔مجھے بائیں مڑنا تھا مگر ایک بڑے سے ٹرک نے میرا راستہ روک رکھا تھا۔لمبا سا ہارن دیتے ہوئے میں نے دل ہی دل میں اُسے اچھی بھلی سُنا ڈالیں۔دو منٹ صبر سے کھڑا ہونا مجھ پر گراں گزرا۔نئے ماڈل کی Toyota Rav 4 میں بیٹھا میں ناشکرا ٹرک والے کو کوس رہا تھا۔اس مصیبت نے بھی اسی وقت آنا تھا بے صبرا...! حوصلہ کر حوصلہ، آرام سے گاڑی چلا پتر۔ابا جی چُپکے سے آ کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئے جب سے ابا جی گئے تھے ان کی باتیں کسی خودرو بیل کی طرح مجھ سے لپٹنے لگی تھیں میں جتنا پیچھا چھڑاتا وہ اُتنا مجھ سے لپٹتیں میں کسی بے جان دیوار کی طرح بے بس اُن کو خود سے لپٹتا دیکھتا رہتا۔چند منٹ کی ہی تو بات تھی۔ٹرک کے نکلتے ہی میں نے گاڑی بائیں طرف کو موڑ لی۔ابھی چلتے ہوئے دو منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک ہرن قلانچیں بھرتا ہوا سامنے سے گزر گیا۔وہ حسین تھا بے انتہا حسین۔اسے میرے سامنے سے گزرنے میں چند سیکنڈ ہی لگے ہوں گے۔اسے دیکھتے ہی میرے دل کی کیفیت بدل گئی۔دو منٹ پہلے کی کوفت نے شرمندگی سے سر جُھکا لیا،دل میں منہ لٹکائے بیٹھی خاموشی کھلکھلا کر ہنسی کبوتر سیاں جی کی چٹھی لایا ہو جیسے،خیالات کے بل کھاتے پراندے کو اٹھلا کر کمر پر جھٹکا،وہ بھی یوں اٹھلایا جیسے ساون میں سکھی نے جھولا جھلایا۔ پراندے میں لگے گھنگرو گنگنانے لگے۔یار کو ہم نے جا بجا دیکھا،وہی چند پل جو مجھ پر بھاری تھے وہی یار سے ملا گئے،پرفیکٹ ٹائمنگ تھی۔اگر ٹرک میرا راستہ نہ روکتا تو یہ ملاقات ممکن نہ تھی۔پتر ہر کام میں کوئی نہ کوئی بہتری ہوتی ہے،دن گھنٹے لمحے اُسی کے ہیں ان پر میرا تیرا کیا اختیار انہیں اُس کے حوالے کر دے پتر۔ابا جی...!میں نے سسکی بھری ساتھ والی سیٹ خالی تھی بے صبرا نہ بنا کر پتر صبر کرنا سیکھ۔میرا دل بنسی بن گیا سوختہ جاں بنسی سا رفتہ رفتہ میں نے صبر کرنا سیکھ لیا بہت سا وقت گزر گیا حوصلہ کر پتر حوصلہ آرام سے گاڑی چلا۔وہی راستے وہی ٹریفک فرق صرف اتنا تھا کہ آج ابا جی والی سیٹ پر میں تھا اور میری سیٹ پر میرا بیٹا۔

ابا جی نے میرے اندر مستقل ڈیرے ڈال رکھے تھے۔

لمحاتِ وصل کی عجیب داستان تھی   وقت صبر کی پوشاک بُن رہا تھا

عُمر گزشتہ دیکھ کر مُسکرا رہی تھی۔۔!

اللہ امّاں اور میں ۔ پارٹ ون

تحریر مبشرہ ناز

یہ ان دنوں کی بات ہے جب مجھے اللہ سے بہت چڑ تھی ہر بات میں جانے کہاں سے اللہ بیچ میں آ جاتا...؟ اللہ شاید ہمارا سب سے قریبی رشتہ دار تھا...! جو مستقل ہمارے ساتھ ہی رہا کرتا...! کبھی کبھی مجھے لگتا اللہ بھی امّاں کے ساتھ ملا ہوا ہے...! دونوں مل کر میرے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں۔۔۔! امّاں تو امّاں ابّا بھی عجیب تھے۔۔۔! موسم کے پہلے آم گھر میں آتی۔۔۔ ابّا شام کو دکان پر جانے سے پہلے اپنے ہاتھ سے پھل کاٹ کر ہمیں دیا کرتے۔۔۔! آموں کی رُت کونسا پورا سال ہوتی چند گنتی کے دِن ہی تو آم مُیسّر آتے۔۔۔! میں بے صبری سے آم کٹنے کا انتظار کر رہی تھی کہ ابّا کی اللہ سے باتیں شروع ہو گئیں۔۔۔!''شکر ہے اللہ کا اُس نے ہمیں موسم کا پھل کھلایا'' آنسو تو ابّا کی پلکوں پر رہا کرتے تھے۔۔۔! ادھر کوئی اللہ رسول کی بات ہوئی اُدھر آنسو گرنا شروع۔۔۔! اشکوں کی جھڑی میں اللہ کے ساتھ گفتگو ختم ہوئی تو ابّا کا حکم ہوا سکھّی کو بلاؤ۔۔۔! امّاں کی مدد کے لیئے پھپھی جان نے ایک بچی بھجوائی تھی کہ مدد بھی کر دیا کرے گی اور امّاں سے کچھ ہنر بھی سیکھ لے گی ابّا ہر پھل میں سے سب سے پہلے سکھی کو حِصہّ دیا کرتے۔۔۔! اللہ کے بعد مجھے سب سے زیادہ چڑھ سکھّی سے تھی۔۔۔! اس کو چیز دینے کے بعد ہم بہن بھائیوں کی باری آتی۔۔۔! رات کو ہم صحن میں بچھی چارپائیوں پر سویا کرتے۔۔۔! پنکھے کے سامنے والی چارپائی پر سونے کی باریوں میں بھی سکھّی برابر کی شریک تھی۔۔۔! جس رات اس کی پنکھے کے سامنے سونے کی باری ہوتی اس رات چاند سے باتیں ہوتیں نہ تاروں سے۔۔۔! میری وہ ساری رات سڑتے کُڑھتے گزرا کرتی۔۔۔! پھر AC آ گیا امّاں نے بہت منع کیا مگر بیرونِ ملک سے آنے والے مہمانوں کی تنگی کے خیال سے ابّا نے ایک کمرے میں AC لگوا ہی لیا۔۔۔! یہاں بھی میرا سوال ہوتا ہم کیوں مہمانوں کو اپنا AC والا کمرہ دیں۔۔۔؟ اور امّاں بیچاری مجھے سمجھاتیں مہمانوں سے اچھے سلوک کی تلقین کرتیں۔۔۔! اور موقعے کی مناسبت سے قرآن حدیث کا حوالہ بھی دیتیں امّاں خدائی فوج دار تھیں اور یہ امّاں کا سب سے بڑا ہتھیار تھا جسے وہ ہر دم ساتھ رکھتیں۔۔۔! جب کبھی قسمت سے AC والے کمرے میں سونا نصیب ہوتا یہاں بھی سکھّی صاحبہ ساتھ سوتیں اور ہمیشہ مجھے ہی اس کے ساتھ سونا پڑتا۔۔۔! فرش پر سب گدے ڈال کر سویا کرتے سب سے زیادہ ظلم گھر میں میرے ساتھ ہی ہوا کرتا۔۔۔! میں پھر شاکی ہوتی امّاں میں نے سکھّی کے ساتھ نہیں سونا۔۔۔! کیوں۔۔۔؟ سکھّی کو بھی اللہ نے بنایا ہے اُسی محبت سے جیسے تجھے بنایا ہے اللہ کے بنائے ہوئے سب انسان برابر ہیں۔۔۔! اور پھر مجھے ہی اس کے ساتھ سونا پڑتا۔۔۔!

اب یاد آتا ہے سب سے زیادہ ضد بھی تو میں ہی کیا کرتی تھی۔۔۔! سکھّی میرے لیئے پانی کا گلاس لاؤ۔۔۔! پتر آپ اُٹھ کر پی۔۔۔! اللہ نے ہاتھ پیر کس لیئے دیئے ہیں۔۔۔؟ دل جل کر سواہ ہو جاتا۔۔۔! پتہ نہیں کہاں سے امّاں آ جاتیں اور سُن لیا کرتیں۔۔۔! مجال ہے جو کبھی بیگم صاحبہ بننے کا خواب پورا ہونے دیں۔۔۔! کوئی ایک دکھ تھا، کوئی ایک ساڑا تھا۔۔۔! سکھّی عام طور پر خاموش ہی رہا کرتی۔۔۔! ایک دن امّاں میرے لیئے قمیض کا کپڑا لائیں سکھّی دیکھ رہی تھی، بیاختیار اس کے منہ سے نکلا ''کتنا سوہنا ہے باجی جی۔۔۔!'' اچھا اچھا ہن نظر نہ لا دیئیں۔۔۔! میرے ڈانٹنے پر بھاگ گئی امّاں نے ناگواری سے منہ نیچے کر لیا مگر کہا کچھ نہیں۔۔۔! جب قمیضیں سِل کر آئیں تو دو ایک جیسی۔۔۔! ایک میری اور دوسری سکھّی کی۔۔۔! میرے لاکھ چیخنے اور واویلا کرنے کے باوجود ہم نے عید پر ایک جیسے کپڑے پہنے۔۔۔! اُس عید پر میں دنیا کی سب سے دُکھی بچی تھی۔۔۔! اللہ سے میری بہت لڑائی ہوئی کہ اسے کبھی تو میری بات بھی مان لینی چاہیئے۔۔۔! میں شاید پیدائشی شہزادی تھی پھپھیوں کی پہلی لاڈلی بھتیجی اور اپنے دادا کی پہلی پوتی۔۔۔! جو اکثر گرمیوں کی لمبی دوپہریں دادا ابّا کی سائیکل چوری کر کے مٹر گشت کرنے میں گزارا کرتی اور پکڑے جانے پر امّاں سے لمبے لمبے لیکچر سنتی۔۔۔!'' بیٹیاں اس طرح باہر نہیں پھرا کرتیں اللہ کو نہیں پسند دوپٹہ سر پر لو' وغیرہ وغیرہ۔۔۔! پھر ایک دن وہی دوپٹہ سائیکل کے پہیہ میں پھنس کر میرے گلے کے گرد بری طرح لپٹا کہ مشکل سے جان بچی۔۔۔!'' دیکھا اور باہر پھرو ماں کی نافرمانی کرنا اللہ کو پسند نہیں۔۔۔!'' ایک تو امّاں کی ڈانٹ اور اُس میں بھی اللہ کی پسند اور ناپسند۔۔۔! یہ اللہ میرا سب سے بڑا دشمن تھا۔۔۔! ایک بار مل جا؟ خوب لڑوں گی۔۔۔! اللہ اماں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔۔۔! یہ اللہ اور اماں کی ملی بھگت تھی، آخرِ کار دونوں نے مجھے گھر بٹھا کر ہی دم لیا۔۔۔!

گھر میں باری باری سب کی پسند کا کھانا بنتا۔۔۔! اُس دن میری پسند کا کھانا بنا تھا۔۔۔! ابھی دسترخوان بچھ ہی رہا تھا کہ ساتھ والی خالہ جی چلی آئیں۔۔۔! بیٹا اچانک مہمان آ گئے ہیں اور اس وقت گھر پر کوئی نہیں جو بازار سے کچھ لا کر دے، اب کیا کروں۔۔۔؟ امّاں نے ساری ہانڈی اُٹھا کر

خالہ جی کے گھر بھجوا دی۔۔۔! میری پسند کا سالن تھا مجھے بہت غصہ آیا اور میں نے خوب رونا دھونا ڈالا کہ تھوڑا سا میرے لیئے ہی رکھ لیتیں۔۔۔!'' کیوں تو نواب زادی ہے۔۔۔؟'' پھر پیار کرنے لگیں دیکھ تُو نے اپنی پسند کی چیز کی قربانی کی ہے۔۔۔! سب سے زیادہ ثواب بھی تو تجھے ہی ملا ہے۔۔۔! میں اپنی بیٹی کو بہت اچھا پراٹھا بنا کر دوں گی۔۔۔!'' اور ہم نے اس دن اچار اور پراٹھا کھایا۔۔۔! میں جو آدھی روٹی بمشکل کھایا کرتی اُس دن پورا پراٹھا کھا گئی۔۔۔! سچی بات تو یہ ہے کہ اُس دن جیسا پراٹھا دوبارہ کبھی کھایا ہی نہیں۔۔۔! جانے کیسا مزا تھا اس میں آج بھی ذائقہ زبان پر ہے۔۔۔! لیکن اماں کے سامنے رونا دھونا ڈالے رکھا اور اماں منہ نیچے کر کہ مسکراتی رہیں۔۔۔! دوسرے تیسرے دن ہی خالہ جی نے ڈھیر سارے امرود بھجوائے ان کی زمینوں سے پھل آیا کرتا اور اس میں ہمارا حصہ بھی ہوتا۔۔۔! امرود مجھے بہت پسند تھے سب سے زیادہ شاید میں نے ہی کھائے۔۔۔! سودا بُرا نہیں تھا پسند کی چیز کے بدلے پسندیدہ چیز مِلی تھی۔۔۔! ایک اور سبق میں نے سیکھ لیا تھا۔۔۔! اسکول نے کیا پڑھانا اور سکھانا تھا اماں تو سکول سے بھی زیادہ سخت اُستانی نکلیں۔۔۔! سارے کس بل نکال دیئے۔۔۔! روٹی اماں سے مانگتی'' اچھا تُو اللہ سے دعا کرا بھی بن جا گی۔۔۔!'' اماں روٹی کوئی اللہ نے پکا کے دینی ہے کیسی باتیں کرتی ہیں آپ بھی۔۔۔؟'' او کملی اُسی کے حکم سے پکے گی نا ساہواں دا کی اے کیس ویلے مُک جان۔۔۔! اُس کے حکم کے بغیر تو میں چُلہے تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔۔۔! چل رکھ تو میں آ رہی ہوں۔۔۔!

اُسی رات حکیم صاحب کی بیگم اچانک چل بسیں اچھی بھلی تھیں حکیم صاحب کے لیئے چائے بنانے باورچی خانے تک گئیں اور پھر واپس ہی نہ آئیں۔۔۔! مجھے یاد ہے میرے چھوٹے سے دل پر کاری ضرب لگی تھی۔۔۔! چھوٹا سا دل اور یہ آ گہی بہت ظالم تھی اللہ جسے چاہے جب چاہے لے جا سکتا ہے۔۔۔! مجھے لگا اللہ اماں کو بھی لے جاؤ گا۔۔۔! ساری رات رو رو کر اماں کی زندگی کے لیئے دعا مانگتی رہی۔۔۔! صبح اُٹھی تو اماں زندہ تھیں۔۔۔! اس رات میری سمجھ میں اچھی طرح آ گیا تھا کہ اللہ سے ہی مانگنا ہے۔۔۔! اس رات میں نے دعا مانگنا سیکھ لیا تھا۔۔۔! وہ میری زندگی کی سب سے خُوبصورت صبح تھی۔۔۔! حکیم صاحب کی بیٹی کا بلک بلک کر رونا مجھے آج بھی تڑپا دیتا ہے۔۔۔! ایک دو گھرے اوپر نیچے کرنے سے بنتی میں فرق آ جایا کرتا ہے۔۔۔! اور اسی طرح انہی دو گھروں کے اوپر نیچے کرنے سے خوبصورت ڈیزائین بھی بن جایا کرتا ہے۔۔۔! ہمارے دل پر اماں نے اللہ کی محبت کا بڑا خوبصورت نمونہ ڈالا تھا۔۔۔! بچپن کا ایک حسین دور پل میں گزر گیا۔۔۔! میں بڑی ہونے لگی۔۔۔! پتہ ہی نا چلا اور اللہ سے میری چڑھ دوستی میں بدل گئی میرے آگے ہونے کی دیر تھی وہ تو جیسے تیار بیٹھا تھا۔۔۔! ہماری پکّی دوستی ہو گئی تھی۔۔۔! اماں نے مجھے اللہ سے محبت کرنا سکھا دیا تھا اور اس محبت نے اللہ کے بندوں سے محبت کرنا سکھایا۔۔۔! جانے کب دل کو ساڑ ساڑ کر سواہ کرتی ریت نے مجھے مانجھ ڈالا۔۔۔؟

حُسن، جوانی، آکڑ، نَخرہ ھیر بُھلا بیٹھی
ایویں کوئی نہیں جَھنگ آجاندا تخت ھزارے توں
(بِسمِ اللہ کلیم)

یہ اماں اور اللہ کی ملی بھگت تھی۔۔۔! مجھے آج بھی پورا یقین ہے کہ اماں اللہ سے ملی ہوئی تھیں۔۔۔!

اُس توں پہلے گھر نُوں مُڑ جا سَکھیئے جِس ویلے
پیہنگاں دے پَرچھاویں لمّی ہون ہُلارے توں
(بِسمِ اللہ کلیم)

انمول تحریر

(تحریر مبشرہ ناز)

حساب لینے کا مطلب ہے...ہر غلطی کی وجہ پوچھنا اور انکے لیے سزا تجویز کرنا....ہر بات پر حساب نہ لینے کا مطلب ہے کہ کبھی پوچھنا اور کبھی درگزر کر دینا...ہر وقت اگلے کی غلطی کا صرف اسلئے انتظار نہ کرنا کہ میں اسے نیچا دکھاؤں گا....اسکو جتاؤں گا.....ساری بات کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ جتنا لوگوں کو درگزر کریں گے...انکی غلطیوں کو بتا کر جتائیں گے نہیں...highlight کرنے کی بجائے انہیں نرمی سے علیحدہ کر کے بتائیں گے..تب تک آپکی غلطیاں بھی چھپتی رہیں گی...آپکو بھی لوگ سائیڈ پر کر کے غلطیاں بتائیں گے...

لیکن آپ سختی سے یہ کام کریں گے...تو انتظار کریں...آپکی زندگی میں ایسا بندہ آئے گا..جو آپکو چوراہے میں کھڑا کر کے رسوا کرے گا...یہ قدرت کا اصول ہے....بھلے آپکی اولاد کی شکل میں آئے یا دوست کی شکل میں...یا کسی اور رشتے کی شکل میں...آئے گا ضرور...جزاک اللہ

خودساختہ عاشقِ رُسول

بشکریہ۔سید عطاء الرحمن نقوی فیصل آباد

آپ کھیرے کو کھیرا شریف کہتے ہیں، بلکہ آپ اپنے مریدین کو حکم دیتے ہیں کہ کھیرے کے چھلکے ڈسٹ بن میں نا پھینکیں کیونکہ چھلکوں کا رنگ سبز ہوتا ہے اور گنبد خضراء بھی سبز ہے، آپ مدینہ پاک سے آئی کھجور سے نکلنے والے کیڑے کو اتنی عزت سے نوازتے ہیں کہ اس کیڑے مبارک کو واپس مدینہ چھوڑ آنے کا مشورہ دیتے ہیں۔آپ بلی کو بلی شریف کہتے ہو کیونکہ اس بلی کے ماتھے پہ نعلین پاک کی تصویر بنی ہوئی ہے۔آپ کے مریدین کے موبائل کی بیٹری آپ کے نام یعنی بپا جانی کی وجہ سے خودبخود چارج ہونے لگتی ہیں۔آپ مریدین کو سورہ کوثر پڑھ کر موٹر سائیکل کی ٹنکی میں پھونکنے کا وظیفہ بتاتے ہیں تاکہ برکت پیدا ہوجائے۔آپ نے نمازی کے سامنے سے گزرنے کا ایسا الجبرانا طریقہ بتایا جو آج تک نا آپ کو خود سمجھ آیا نا ہی کسی بیٹھے بھائی کو۔آپ آقا کریم ص کی ہر سنت پوری کرنے کی کوشش کرتے ہو، سبز رنگ سے آپ کو اتنا پیار ہے کہ چار پانچ سبز گدیاں اپنے آگے پیچھے اوپر نیچے اور چھ ساتھ سبز جھنڈے اپنے جسم کے ساتھ باندھ کر سات آٹھ سبز لائیٹس کی لڑیاں اپنے گلے میں پھندا بنا کر ٹی وی پہ عاشق رُسول ص بننے کا ڈھونگ رچا بیٹھتے ہو۔آپ نے ایک مدنی تکیہ بھی متعارف کروایا جو موٹر سائیکل پہ بیٹھنے والے دو مدنی منوں کے درمیان رکھا جاتا ہے تاکہ شہوت سے بچا جا سکے...اورتو اور آپ کیلے کو سیدھا نہیں بلکہ اُلٹا رکھتے ہو تاکہ کیلا خدا کے حضور سجدے کی حالت میں رہے۔اے بپا جانی الیاس مروانی آپ جاہل تو پہلے دن سے ہی تھے مگر اس وقت ہمیں اس سے کوئی غرض نا تھی نا ہی کوئی مسئلہ، مسئلہ تب پیدا ہوا جب آپ نے اپنی جہالت کی آخری حد بھی کراس کردی، اُمت مسلمہ امام حسین ع کی آخری نماز اور سجدے پہ متفق ہے اور آپ ہو کہ آپ نے نواسہ رسول ص کی نماز کا ہی انکار کر دیا، یقین جانیے بپا جانی الیاس مروانی جس نے بھی حسین ابن علی کے خلاف ایک لفظ بھی بولا اسی دن اس کے زوال کی ابتداء ہوجاتی ہے، آپ بھی اپنا بستر گول کرنے کی تیاری کرلو لیکن سیدنا امام حسین علیہ السلام کے آخری سجدے کو متنازعہ بنا کر آپ کس کو خوش کرنا چاہتے ہیں...م بے شمارررر اور بار بار لعنت کرتے ہیں ایسے نام نہاد خود ساختہ امیر اہل سنت بپا جانی الیاس مروانی کھارادری پر جو بار بار اُمت میں فتنہ گری کی کوشش میں مصروف عمل ہے۔

ایمل ولی خان، پشاور واقعہ اور شدت پسند بیانیہ

رشید یوسفزئی

قوم اور سماج کی اجتماعی ذہن سازی میں جہاں مختلف ریاستی ادارے، ذرائع ابلاغ، مذہبی طبقات وشخصیات وغیرہ اہم کردار ادا کرتے ہیں وہیں سیاسی جماعتوں کا بھی اِس ضمن میں اہم کردار ہوتا ہے۔ جہاں ہزاروں لوگ کسی عام مُلّاں کی تقریر پر مشتعل ہوکر کسی پر بھی حملہ آور ہوسکتے ہیں اور تباہی مچا سکتے ہیں، وہیں ایک زیرک سیاسی رہنما اور قائد بھی اپنی دانشمندانہ حکمتِ عملی، دیانت اور خلوص سے لوگوں کی بہتر شعور سازی کرتے ہوئے انہیں مثبت پہلوؤں کی جانب راغب کرسکتا ہے۔

شدت پسند مذہبی سماج اور ریاستوں میں سیاسی جماعتیں عموماً رائج الوقت پاپولسٹ بیانیوں narratives populist کا استعمال کرتے ہوئے اپنا ووٹ بینک بڑھانے اور گراؤنڈ پر اپنی موجودگی کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پاکستان میں سب سے بڑا پاپولسٹ بیانیہ لوگوں کے مذہبی جذبات کو اُبھار کر انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا ہے، یہی طریقہ واردات یہاں کی سیاسی جماعتوں کا بھی ہے۔ مذہبی جماعتوں کی ہاں کوئی سیاسی، معاشی اور فلاحی پروگرام اور پلاننگ نہ پہلے تھی نہ اب ہے۔ان کا بیانیہ پورے ملک کو ایک مدرسہ بنانا ہے اور بس پاکستانی اُمور کے منطقی اور غیر جانبدارانہ مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ یہاں ختم نبوت اور نبوت کا مسئلہ خالص سیاسی مقاصد کیلئے استعمال ہوتی آئی ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں اوّلین مارشل لاء 1953ء میں لاہور میں لگائی گئی تھی۔میجر جنرل اعظم خان مارشل لا ایڈمنسٹریٹر تھے۔اس وقت کے متعلقہ مارشل لاء دستاویزات اور جسٹس منیر کمیشن رپورٹ اس مسئلے کی جڑ کو واضح کرتے ہیں۔تمام تر تحقیقات کا یہ خلاصہ اور نتیجہ تھا کہ ختم نبوت کا مسئلہ سیاسی مقصد کی حصول ہی کیلئے اُٹھایا گیا. احرار استعمال ہوئے۔میاں ممتاز دولتانہ نے مرکز میں چوہدری محمد علی حکومت کے دردسر کیلئے احرار اور ختم نبوت کارڈ بطور ہتھیار اپنایا اور چالاکی وکامیابی سے کھیلا بعد میں پاپولر ووٹ لینے میں ناکام تمام دینی جماعتیں، اسٹیبلشمنٹ کی اشیرباد سے اسی مسئلے کو بطور پریشر گروپس استعمال کرتے رہیں...الآخر یہ مسئلہ خالص اسٹیبلشمنٹ کا تنہا ہتھیار رہ گیا...یہ واقعات یاد رکھیں کہ قادیانیت کا مسئلہ خالص پنجابی مسئلہ ہے۔مرزا غلام احمد اوّلین خالص پنجابی

مدعی نبوت تھا... احمدیت کے مقاصد صرف سیاسی اور مقامی تھے...ردِّ عمل اور اس سے مطلوبہ اہداف بھی صرف سیاسی اور پنجاب سے متعلق تھے اور رہیں گے...کئی شخصیات نے ختم نبوت اور توہین کے مسئلے کو ذاتی پروموشن، ذاتی انتقام اور مفاد کی حصول کیلئے استعمال کیا۔ واقفان حال جانتے ہیں کہ شورش کاشمیری کسطرح ختم نبوت کو ذاتی و معاشی اہداف کی حصول کیلئے بروئے کار لاتے... شورش کاشمیری کے مجلہ ''چٹان'' کی ٹیلیفون بل زیادہ آ گئی تھی۔ فون اُٹھایا، محکمے کا افسر فون پر مل گیا۔ کہا ''شورش بول رہا ہوں۔ مجھے اب پتہ چلا کہ ٹیلیفون کے محکمے میں بھی کوئی قادیانی بیٹھا ہے'' پیغام پہنچ گیا۔ متعلقہ آفسر چشم زدن میں شورش کے دفتر پہنچا۔ شورش کے پاؤں پڑھ گیا کہ بل خود ادا کرتا ہوں۔ آئندہ ایسا بالکل نہیں ہوگا. بس قادیانی کا الزام نہ لگائیں...سندھ میں حال ہی میں ایک لڑکے نے سکول کے اُستاد پر توہین کا الزام لگایا اور جب مجاہدین ختم نبوت نے ہنگامہ برپا کیا تو لڑکے نے کہا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا... اور تو اور خود ذولفقار علی بھٹو مذہب کو بطور سیاسی آلہ استعمال کرتا رہا. مذہبی انتہا پسندی کے فروغ کے جو الزامات آج جنرل ضیاء پر لگائے جاتے ہیں ان کا اصل بانی خود بھٹو تھا.... پیپلز پارٹی کے تھنک ٹینک حسین حقانی اور پاکستان میں انتہا پسندی پر Purifying the Land of Pure کتاب لکھنے والی اس کی بیوی اور پی پی پی کی سابق سینیٹر فرح ناز اصفہانی تک اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔

ایک سوال یہ بھی ہے کہ ختم نبوت اور توہین مذہبی اُمور جیسے مسائل کا ٹھیکہ اسلامی تاریخ کے پاکستانی دور میں صرف پاکستان ہی کے مذہبی دنیا نے کیوں لی ہے؟ خود ساختہ نبی کو عربی میں ''متنبی'' کہا جاتا ہے۔ ابوطیب احمد المتنبی عربی کا سربرآوردہ شاعر تھا۔ عباسی دور کے دارالخلافہ اسلام بغداد میں نبوت کی دعویٰ کی. سیف الدولہ اور کافور جیسے بادشاہوں کے درباروں سے وابستہ رہا۔ کسی نے قتل نہیں کیا...تعجب خیز امر یہ کہ نبوت کے اسی جھوٹے مدعی کے انتہائی غیر اخلاقی، فحش اور قبیح قصائد آج بھی دیوبند سے لیکر پاکستانی مدارس کے کورس ''درس نظامی'' کے آخری درجے میں شامل ہیں!..... دعویٰ ہائے نبوت اور توہین ایشوز پر اسلامی دنیا میں کب اور کہاں ایسے واقعات ہوئے ہیں جو صرف اسلام کے قلعے پاکستان میں ظہور پذیر ہو رہے ہیں؟..... جہاں مذہبی سیاسی جماعتوں کی مفاد ہوں وہاں قادیانیت اور ختم نبوت کبھی مسئلہ نہیں بن جاتا۔ پیپلز پارٹی کے سابق دور میں مشیر داخلہ رحمان ملک سیالکوٹ کے مشہور قادیانی حجام کا بیٹا ہے۔ زرداری ایوان صدر چلانے والا، ترجمان پریذیڈنٹ ہاؤس فرحت اللہ بابر پیر پیائی نوشہرہ کے مشہور احمدی نعمت اللہ بابر کے بیٹے تھے لیکن کسی مذہبی غنڈے نے ان کے خلاف ایک لفظ نہیں بولا کیونکہ ملک کی سب سے مضبوط مذہبی پریشر گروپ جمعیت علمائے اسلام حکومت کی حلیف تھی اور خود رحمن ملک قائد جمعیت کے دوست تھے... پشاور واقعہ کے بعد غول درغول نابالغ پاکستانی مجاہدین کی پوری کھیپ ایک بے رحم قاتل کی حمایت میں سامنے آئی۔ یہ وہی نابالغ جنونی نسل ہے جسے ملٹری۔ مُلّاں اتحاد نے اکثر سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر تیار کیا ہے۔ مذہبی شدت پسندی کو بالخصوص پشتونوں کا ورثہ بنا کر ان کے ذہنوں میں اُنڈیلا گیا ہے۔ ایسا قاتل زہر اس قوم کے نوجوان اذہان میں ڈالا گیا ہے کہ اب ان کے انتہا پسندانہ مذہبی غیض وغضب اور بیرحمانہ عزائم و اعمال کے سامنے انسانیت بھی شرما جائے۔ جب سامنے دہائیوں سے ریاست کی جانب سے تیار کیا گیا ایسا بپھرا ہوا خونخوار طبقہ کھڑا ہو تو کسی سیاسی جماعت کا ایسے وقت میں قاتل کے اس مکروہ فعل کی مذمت میں کھل کر سامنے آنا جرات مندانہ اور قابلِ تحسین عمل ہے۔ اے این پی جدت پسندانہ روایات کا حامل پارٹی ہونے کے دعویدار رہی ہے۔ ترقی پسندی، تحمل، برداشت اور سیکولر روایات کو یہ جماعت اپنا خاصہ قرار دیتی رہی ہے۔ ایسے حالات میں اے این پی کی قیادت کا دلیری کے ساتھ اس شدت پسندی کی مذمت کرنا اور اپنے سیاسی کارکنوں کے ساتھ ساتھ پشتون قوم میں بھی مذہبی رواداری کی فضا کو پروان چڑھانا انتہاء ضروری اور مستحسن اقدام ہے۔

ایمل ولی خان کا جرات مندانہ موقف پارٹی لائن کو مزید جدت پسندانہ روایات کی جانب گامزن کرنے کے لیے اہم ہے۔ پشتونوں کے لیے یہ اہم سبق ہے کہ اب اپنی راہیں درست کریں۔ اور جان جائیں کہ اس جنونیت کا بیج تم میں بونے والا اصل دشمن کون ہے؟ ڈالرز وہ بٹورے مگر اپنے ہزاروں بچوں کا خون دینے والے تم ہوتے ہو۔ اپنی نسلیں جہاد کے نام پہ اُجاڑنے والے تم ہو۔ مشال کو بے دردی سے قتل کرنے والے تم ہوتے ہو۔ مندر اسلام آباد میں ہو تو اسے ڈھانے والے تم ہوتے ہو۔ بلوچستان کے پہاڑوں میں چند ٹکوں کے عوض ریاست کے پنجابی کرنل کے کارندے بن کر ایک اور محکوم کا خون بہانے والے تم ہوتے ہو اور تمھارے ان سارے اعمال کا سبب اسی مذہب کا تم پر ریاستی استعمال ہے جسے سمجھنے کی اب تمھیں اشد ضرورت ہے۔

اے این پی جیسی جماعتوں کو پختون قوم میں کم از کم اس مذہبی جنونیت کا تدارک کرنے کے لیے اسی طرح کردار ادا کرتے رہنا از حد ضروری ہے۔ اس مذہبی درندگی کو لگام دینا اوّلین سیاسی ترجیح ہونی چاہیئے.... اور یہ سیاسی و سماجی فرض عین ایمل ولی جیسے نوجوان نڈر اور بلند حوصلہ لیڈر ہی ادا کرسکتا ہے۔ اگر چہ میری وابستگی پی ٹی ایم کیساتھ ہے مگر سوشل میڈیا پر میرے فالورز میں اے این پی والوں کی تعداد ایمل ولی خان کے فالورز سے زیادہ ہے۔ میں ہمیشہ ان کے پارٹی قیادت پر تنقید کرتا ہوں۔ ان کی محبت میں کبھی کمی نہیں آئی اے این پی والے واحد سلجھے مجھے لوگ ہیں جو اپنے بدترین مخالفین کو بھی کبھی غیر اخلاقی غیر شائستہ زبان میں جواب نہیں دیتے جبکہ باقیوں کا حال آپ کے سامنے ہے۔ اے این پی کی گزشتہ رُکن سازی کے دوران چند دوستوں نے از راہ دل لگی سو روپیہ لئے اور میرے نام کی ممبر شپ فارم بھر دی... میں نے سنجیدہ نہیں لیا۔ فارم گھر لے کر کتاب میں رکھ دی.... آج اس خطے کی سب سے حساس، اشتعال انگیز اور جعلی مسئلے پر ایمل ولی خان کے بیباک، حقیقت پسندانہ اور جرات مندانہ موقف پر اس فارم کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ آج میں خود کو پہلے بار کسی پارٹی کا رکن محسوس کرتا ہوں۔

مخمصہ کیا ہوتا ہے؟...

ایک شاگرد نے استاذ صاحب سے پوچھا مُخمصہ کیا ہوتا ہے۔؟ استاذ صاحب نے ہر ممکن تعریف بیان کی مگر شاگرد مطمئن نہ ہوا تو استاذ صاحب نے بڑا عجیب واقعہ سنایا کہ کراچی ناظم آباد میں ایک ٹرک نے ایک موٹر سائکل کو اس بری طرح کچل دیا کہ موٹر سائکل سوار باپ اور بیٹے جاں بحق ہو گئے۔ دونوں کی گردن کٹ کر، سرتن سے جدا ہو گئے تھے۔ لوگ بھاگم بھاگ دھڑ اور کٹے ہوئے سر لیکر ڈاکٹر محمد علی شاہ کے ہاسپٹل پہنچے۔ پتا چلا کہ دونوں زندہ ہیں ڈاکٹر نے سات آٹھ گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد کٹے ہوئے سر دھڑوں سے جوڑ دیئے۔ دونوں زندہ بچ گئے۔ دو ماہ تک دونوں باپ بیٹا ICU وارڈ میں رہے۔ گھر والوں کو بھی ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ دو ماہ بعد وہ گھر آئے تو معلوم ہوا کہ باپ کا سر بیٹے کے دھڑ پر اور بیٹے کا سر باپ کے دھڑ سے لگ گیا۔ شاگرد بہت حیرت سے یہ داستان سن رہا تھا۔ مسئلہ یہ پیدا ہو گیا کہ اب بیٹے کی بیوی شوہر کے دھڑ کے ساتھ کمرے میں رہے یا شوہر کے سر کے ساتھ؟ اگر وہ شوہر کے سر کے ساتھ رہتی ہے تو دھڑ تو سُسر کا ہے۔۔ کیا ہوگا۔ اُدھر یہ مشکل کہ ماں اگر شوہر کے سر ساتھ رہے تو دھڑ بیٹے کا ہے۔ اگر شوہر کے دھڑ کے ساتھ رہے تو سر بیٹے کا ہے۔ صورتحال انتہائی کشیدہ تھی۔ بیٹا اپنی بیوی کا ہاتھ تھامنا چاہے تو وہ نیک بخت کہتی کہ مجھے ابا جان کے ہاتھوں سے شرم آتی ہے۔ سُسر اپنی بیوی کے پاس اس لئے نہیں پھٹکتے کہ بیٹے کے دھڑ اور ماں یعنی اُن کی بیوی میں ابدی حُرمت ہے۔

کہیں موٹر سائیکل پر جانا ہو تو ایک پریشانی کہ بہو شوہر کے دھڑ کے ساتھ بیٹھے یا سُسر کے سر کے ساتھ؟۔ الغرض زندگی اجیرن ہو گئی۔ تمام معمولات ٹھپ ہو گئے۔ ایسے میں کسی نے مشورہ دیا کہ یوں کیا جائے کہ دونوں اپنی اپنی منکوحہ کو طلاق دیں اور از سرِ نو نکاح کریں تاکہ دھڑ حلال ہوں اگر لڑکے کی ماں طلاق لے تو کس سے لے؟ بیٹے کے دھڑ سے یا شوہر کے سر سے؟ اُدھر بہو کے ساتھ بھی یہی مسئلہ کہ شوہر کے سر سے طلاق لے یا سُسر کے دھڑ سے؟ بتایئے اب کیا کیا جائے؟' شاگرد اِس پیچیدہ مسئلے پر پریشان ہو گیا بلکہ کہیئے کہ ''مُخمصہ'' ہو گیا۔ منہ کھلا کا کھلا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں استاد گویا ہوئے": بیٹا جی! بس یہ جو آپ کی کیفیت ہے نا اسے ہی ''مُخمصہ'' کہتے ہیں۔ سبق... موجودہ حکومت میں سر PTI اور دھڑ باقی جماعتوں کا لگا ہے اور مشورے خلائی مخلوق کے ہیں۔ سر الگ کریں تو مصیبت، دھڑ الگ کریں تو مصیبت۔ گویا پاکستان میں موجودہ صورتحال ''مُخمصہ'' کا شکار ہو گئی ہے۔

سرسوں کے تیل کے فوائد

رجلِ خوشاب

کوکنگ آئل وہ استعمال کریں، جو کبھی جمے نہ، دُنیا کا سب سے بہترین تیل جو جمتا نہیں، وہ زیتون کا تیل ہے، لیکن یہ مہنگا ہے، ہمارے جیسے غریب لوگوں کے لیے سرسوں کا تیل ہے۔ یہ بھی جمتا نہیں، سرسوں کا تیل واحد تیل ہے جو ساری عُمر نہیں جمتا، اور اگر جم جائے تو سرسوں نہیں ہے، ہتھیلی پر سرسوں جمانے والی بات بھی اسی لیے کی جاتی ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ سرسوں کے تیل کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کے اندر جس چیز کو بھی ڈال دیں گے، اس کو جمنے نہیں دیتا، اس کی زِندہ مثال اچار ہے۔

جو اچار سرسوں کے تیل کے اندر رہتا ہے، اس کو جالا نہیں لگتا، اور ان شاء اللہ جب یہ سرسوں کا تیل آپ کے جسم کے اندر جائے گا تو آپ کو کبھی بھی فالج، مرگی یا دل کا دورہ نہیں ہوگا، آپ کے گُردے فیل نہیں ہونگے، پوری زندگی آپ بلڈ پریشر سے محفوظ رہیں گے (اِن شاء اللہ) کیونکہ؟ سرسوں کا تیل نالیوں کو صاف کرتا ہے، جب نالیاں صاف ہوجائیں گی تو دل کو زور نہیں لگانا پڑے گا، سرسوں کے تیل کے فائدے ہی فائدے ہیں، ہمارے دیہاتوں میں جب جانور بیمار ہوتے ہیں تو بزرگ کہتے ہیں کہ ان کو سرسوں کا تیل پلائیں، آج ہم سب کو بھی سرسوں کے تیل کی ضرورت ہے۔

مالدیپ کی کہانی

مالدیپ جو صرف 2 ماہ میں بدھ مت چھوڑ کر پورا مسلمان ملک ہوا!۔مالدیپ بحر ھند میں واقع ایک سیاحتی ملک ہے، یہ ملک 1192 چھوٹے جزیروں پر مشتمل ہے جن میں سے صرف 200 جزیروں پر انسانی آبادی پائی جاتی ہے۔مالدیب کی 100٪ آبادی مسلمان ہے جب کہ یہاں کی شہریت لینے کے لئے مسلمان ہونا ضروری ہے.عجیب بات یہ ہے کہ مالدیب بدھ مت کے پیروکاروں کا ملک تھا صرف 2 ماہ کے اندر اس ملک کا بادشاہ،عوام اور خواص سب دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔مگر یہ معجزہ کب اور کیسے ہوا؟ یہ واقعہ مشہور سیاح ابن بطوطہ نے مالدیب کی سیاحت کے بعد اپنی کتاب میں لکھا ہے ابن بطوطہ ایک عرصے تک مالدیب میں بطور قاضی کام کرتے بھی رہے ہیں۔وہ اپنی کتاب ''تحفۃ النظار فی غرائب الأ مصار وعجائب الأ مصار'' میں لکھتے ہیں کہ مالدیب کے لوگ بدھ مت کے پیروکار تھے اور حد درجہ توہم پرست بھی اسی بدعقیدگی کے باعث ان پر ایک عفریت (جن) مسلط تھا، وہ عفریت ہر مہینہ کی آخری تاریخ کو روشنیوں اور شمعوں کے جلو میں سمندر کی طرف سے نمودار ہوتا تھا اور لوگ سمندر کے کنارے بنے بت خانہ میں ایک دوشیزہ کو بناؤ سنگھار کر کے رکھ دیتے وہ عفریت رات اس بت خانے میں گزارتا اور صبح وہ لڑکی مردہ پائی جاتی اور لوگ اس کی لاش کو جلاتے.عفریت کے لئے دوشیزہ کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی ہوتا تھا اس بار قرعہ اندازی میں ایک بیوہ بڑھیا کی بیٹی کا نام نکلا تھا رو رو کر بڑھیا نڈھال ہو چکی تھی گاؤں کے لوگ بھی بڑھیا کے گھر جمع تھے،دور سے آئے اس مسافر نے بھی بڑھیا کے گھر کا رخ کیا اس کے استفسار پر اسے سب کچھ بتایا گیا کہ عفریت کے مظالم کتنے بڑھ گئے ہیں.مسافر نے بڑھیا کو دلاسہ دیا اور عجیب خواہش کا اظہار کیا کہ آج رات آپ کی بیٹی کی جگہ بت خانے میں مجھے بٹھایا جائے، پہلے تو وہ لوگ خوف کے مارے نہ مانے کہ عفریت غصہ ہوئے تو ان کا انجام بد ہوسکتا ہے لیکن مرتا کیا نہ کرتا وہ راضی ہو گئے،مسافر نے وضو کیا اور بت خانے میں داخل ہو کر قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی عفریت آیا اور کبھی واپس نہ آنے کے لئے چلا گیا،لوگ صبح نہار بت خانہ کے باہر جمع ہوئے تا کہ لاش جلائی جاسکے لیکن مسافر کو زندہ دیکھ کر وہ سکتے میں آ گئے یہ مسافر مشہور مسلم داعی،مبلغ اور سیاح ابوالبرکات بربری تھے،ابوبرکات کی آمد اور عفریت سے دو دو ہاتھ ہونے کی خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی بادشاہ نے شیخ کو شاہی اعزاز کے ساتھ اپنے دربار میں بلایا شیخ ابو برکات نے بادشاہ کو اسلام کی دعوت دی بادشاہ نے اسلام قبول کیا اور صرف 2 ماہ کے اندر مالدیب کے سب لوگ بدھ مت سے تائب ہو کر مسلمان ہو چکے تھے۔یہ 1314ء کی بات ہے اس مبلغ اور داعی نے مالدیب کو اپنا مسکن بنایا لوگوں کو قرآن وحدیث کی تعلیم دی، ہزاروں مسجدیں تعمیر کیں،اور مالدیب میں ہی فوت ہوئے اسی مٹی پر ہی دفن ہوئے۔کہنے کو ابو البرکات بربری ایک شخص لیکن تنہا ایک امت کا کام کر گئے،آج بھی ان کو برابر اجر مل رہا ہوگا۔

****

کیہنوں دسّاں!۔۔(پنجابی)

(ڈاکٹر منور احمد کنڈے،انگلینڈ)

سُکیاں نہراں　　سُکے کھال
پنڈ دے کھووہ دا　　پانی گندہ
تھیا بجھان لئی　　کیہڑے پاسے
جاوے بندہ　　کِس پنچائیت
کرے سوال؟　　سُکیاں نہراں
سُکے کھال

روگ تے علاج۔(پنجابی نظم)

روگ عشق دا　　علاج
ہوسکدا اے　　طبیب آکھیا
کل کریں　　’کانٹیکٹ‘(contact)
دوجے دن　　طبیب آکھیا
میری من منور　　روگ
لگا ای رہین دے‘‘　　ایہو ایہدا علاج اے۔
کوئی نئیں ایہدا　　سائڈ افیکٹ(Side effect)

قہر تے محبت۔(پنجابی)

تیری اکھیاں وِچ　　ہر ویلے
قہری غصہ　　تیریاں گلاں وِچ
نرم محبت　　پھُل ورگی خوشبو
رب نے　　تیرے اندر رکھیا
اوہ وڈا اک گُن　　مینوں تیرا
حکم اوّلا　　اکھیاں چے اکھیاں پا کے　　میری گل سُن

جستہ جستہ

عطاء القادر طاہر

کچھ مماثلت:

کچھ مماثلت اگر آپ کے ساتھ ہے تو غور کریں اگر آپ کسی ہوٹل میں چائے پیتے ہوئے عام طور پر گھر پر چائے پینے کی نسبت زیادہ چینی ڈالتے ہیں یا ضرورت سے زائد کھانا ڈالتے ہیں تو آپ کے بدعنوان ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ اگر آپ پبلک واش روم میں گھر کی نسبت زیادہ ٹشو پیپر استعمال کرتے ہیں تو آپ کے اندر ایک چور چھپا بیٹھا ہے کہ اگر آپ کو کوئی موقع مل گیا تو آپ ضرور چوری کریں گے۔ اگر آپ اپنی پلیٹ میں بھوک سے زیادہ کھانا محض اس لیے ڈالتے ہیں کہ اس کا بل کسی دوسرے جیب سے جا رہا ہے تو آپ فطرتاً لالچی ہیں۔ اگر عام طور پر آپ قطار کو توڑ کر آگے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو اگر آپ کوئی طاقتور عہدہ دیا جائے تو اس بات کا پورا امکان ہے کہ آپ اپنی حیثیت کا ناجائز فائدہ اُٹھائیں گے۔ اگر عام طور پر ٹریفک جام میں آپ قطار توڑ کر دوسری گاڑیوں کے اندر گھسنے کی کوشش کرتے ہیں تو جب آپ کو کبھی سرکاری پیسے کا رکھوالا بنایا جائے تو اس بات کا پورا امکان ہے کہ آپ اس میں غبن کے مرتکب ہوں گے کیونکہ آپ کو قوانین وضوابط پر عمل سے نفرت ہے۔ اگر آپ اپنے گھر کے گندے پانی کا بہتر انتظام کرنے کی بجائے رخ دوسرے کے گھر کی طرف کر دیتے ہیں یا گھر کا کوڑا گلی میں ڈال دیتے ہیں تو آپ کو معاشرتی آداب معلوم نہیں۔ اگر آپ گھر اور آفس کی فالتو لائٹس بند کرنے کے عادی نہیں ہیں تو موقع ملنے پر آپ ملکی اور قومی وسائل کو بے دریغ ضائع کرنے کا ارتکاب کریں گے۔ اگر آپ زیادہ تر کمپیوٹر اور موبائل پر گیمز کھیلتے ہیں تو آپ کاہل اور سست انسان ہیں اور آپ اپنی زندگی کو فضولیات میں ضائع کر دیں گے۔ اگر آپ طالب علم ہیں اور امتحان کی تیاری صرف امتحان سر پر آنے پر کرتے ہیں تو آپ بددیانت، کاہل اور کام چور ہیں اور آپ اپنے ساتھ ساتھ اپنے والدین، معاشرہ اور قوم کے بھی دشمن ہیں۔ اگر آپ کا زیادہ وقت کہانیاں پڑھنے، فلمیں اور ڈرامے دیکھنے میں گزرتا ہے تو آپ خیالوں اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والے، بے عمل اور نکمّے انسان ہیں جو اپنے علاوہ لواحقین اور دوست احباب کا مستقبل بھی برباد کر رہے ہیں۔ اگر آپ لوگوں کی خامیاں تلاش کرتے ہیں اور اچھائیوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو آپ فطرتاً ایک نیچ انسان ہیں جسے لوگوں کو نیچا دکھانا مقصود ہے۔ اگر آپ حیران ہیں کہ اس پوسٹ کو زیر بحث لانے کی کیا ضرورت ہے تو آپ بددیانت ہیں۔ آپ اپنے فائدے کی غرض سے بڑی آسانی سے معاشرے میں خرابیاں پیدا کریں گے۔ آئیے جہاں بھی ہمیں موقع ملے ہم خود باکردار انسان بننے کی کوشش کریں۔ یہ زندگی عطیہ خداوندی ہے اور قوم کی امانت ہے۔ اس میں خیانت ہرگز نہ کریں۔ (منقول)

آسانیاں دو۔ آسانیاں ملیں گی

اشفاق احمد کہتے ہیں جس پہ کرم ہے، اُس سے کبھی پنگا نہ لینا۔ وہ تو کرم پہ چل رہا ہے۔ تم چلتی مشین میں ہاتھ دو گے اُڑ جاؤ گے۔ کرم کا فارمولا تو کوئی نہیں۔ اُس کرم کی وجہ ڈھونڈو۔ جہاں تک میرا مشاہدہ ہے، جب بھی کوئی ایسا شخص دیکھا جس پر ربّ کا کرم تھا، اُسے عاجز پایا۔ پوری عقل کے باوجود بس سیدھا سا بندہ۔ بہت تیزی نہیں دکھائے گا۔ اُلجھائے گا نہیں رستہ دے دے گا۔ بہت زیادہ غصّہ نہیں کرے گا۔ سادہ بات کرے گا۔ میں نے ہر کرم ہوئے شخص کو مخلص دیکھا اخلاص والا۔ غلطی کو مان جاتا ہے۔ معذرت کر لیتا ہے۔ سرنڈر کر دیتا ہے۔ جس پر کرم ہوا ہے ناں، میں نے اُسے دوسروں کے لئے فائدہ مند دیکھا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کی ذات سے نفع ہو رہا ہو، اور اللہ آپ کے لئے کشادگی کو روک دے وہ اور کرم کرے گا۔ میں نے ہر صاحبِ کرم کو احسان کرتے دیکھا ہے۔ حق سے زیادہ دیتا ہے۔ اُس کا درجن 13 کا ہوتا ہے، 12 کا نہیں۔ اللہ کے کرم کے پہیے کو چلانے کے لئے آپ بھی درجن 13 کا کرو اپنی زندگی میں۔ اپنی کمٹمنٹ سے تھوڑا زیادہ احسان کیا کرو۔ نہیں تو کیا ہوگا؟ حساب پہ چلو گے تو حساب ہی چلے گا دل کے کنجوس کے لئے کائنات بھی کنجوس ہے۔ دل کے سخی کے لئے کائنات خزانہ ہے۔ جب زندگی کے معاملات اڑ جائیں، سمجھ جاؤ تم نے دوسروں کے معاملات اَڑائے ہوئے ہیں۔

> ہمیں بھی نیند آ جائے گی ہم بھی سو ہی جائیں گے
> ابھی کچھ بے قراری ہے، ستارو تم تو سو جاؤ
> (قتیل شفائی)

ابا کی محبوبہ

مبشرہ ناز

میرے بار بار مانگنے پر بھی ابا مجھے سائیکل نہیں دیا کرتے تھے...
بہت پیاری تھی اپنی بائیسیک ابا کو بڑے پریم سے ہر جمعہ کے روز اس کی سروس کرتے ساتھ ساتھ پرانے گانے چلتے...

بابو جی دھیرے چلنا پیار میں۔ ذرا سنبھلنا۔ بڑے دھوکے ہیں اس راہ میں
ہاں ذرا سنبھلنا سائیکل نہ ہو جیسے محبوبہ ہو اتنی محبت حد ہے بھئی میں کیا کرتا..!! مجھے ابا کی سائیکل بہت بھاتی، جب موقع ملتا لے کر نکل پڑتا۔ میں چلاتا بھی تو برے طریقے سے تھا نا!! اکثر گرا بھی دیتا، چین اتر جاتی۔ ہینڈل مڑ جاتا میرے گھٹنے بھی چھل جاتے اماں سے ڈانٹ علیحدہ پڑتی۔ پھر ایک دن ابا نے سائیکل عزیز چچا کو دے دی... یہ میرے لیئے بہت بڑا صدمہ تھا شاید میری زندگی کا سب سے بڑا صدمہ۔ اپنے پیارے ابا کی یہ کج ادائی مجھے ہرگز نہیں بھائی...وہ جانتے بھی تھے مجھے سائیکل چلانے کا کتنا شوق تھا اور میری بجائے سائیکل انہوں نے اُٹھا کر عزیز چچا کو دے دی۔ میں ابا سے بہت ناراض تھا۔ پھر بچپن کے ہاتھ سے میرا ہاتھ نہ جانے کب چھوٹا پتہ ہی نہیں چلا اور میں بڑا ہو گیا سائیکل والی ناراضگی بھی میرے ساتھ ہی بڑی ہو گئی۔ انہیں دنوں میں نے ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا اور میرا میڈیکل میں داخلہ ہو گیا۔ اور میں پڑھائی میں مصروف ہو گیا...بچپن کی یادیں سنوار کر تہہ لگا کر سنبھال رکھی تھیں۔ کبھی کبھار لوری کی دھنوں کی طرح بجتیں اُن میں ایک اداس دھن سب سے علیحدہ بجا کرتی۔ گلی محلے سے گزرنے والی سائیکل کی گھنٹی اور ابا کے پرانے گانے اب بھی میری اداسی کا سبب بن جایا کرتے۔ جانے کیوں سائیکل کا دکھ میرے دل سے جاتا نہیں تھا۔ یادوں کی تپتی دھوپ میں ننگے پاؤں دوڑتا پھرتا، عجیب دکھ تھا کملا جھلا۔ شاید بچپن کے سب دکھ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ پھٹی جیب سے آخری دو آنے گرنے کے دکھ جیسے...ابا بوڑھے ہو گئے بیمار رہنے لگے۔ وقت گزر گیا اور میں ڈاکٹر بن گیا ابا کو جانے کی جلدی تھی شاید میرے نتیجے کا انتظار کر رہے تھے، دو دن بعد ہی چلے گئے...عزیز چچا افسوس کرنے آئے، دیر تک میرا ہاتھ تھام کر بیٹھے ابا کی باتیں کرتے رہے ابا کا ذکر ہو اور ان کی محبوبہ کا ذکر نہ چھڑے یہ کیسے ہو سکتا ہے...سب ہی سائیکل کو ابا کی محبوبہ کہا کرتے تھے... ار تیری فیس بھرنے کے لیئے انہوں نے سائیکل ''بیچ ڈالی'' میں نے بہت کہا آپ ادھار لے لیں۔ مگر ایک نہیں مانی، تو جانتا ہے نا اپنے اصولوں کے کتنے پکے تھے تیرے ابا۔..!! میں نے کہا اپنی محبوبہ کے بغیر جی پائیں گے...! کہنے لگے میرے پتر پر ایسی ہزار محبوبائیں قربان...اس سے آگے میں کچھ سُن ہی نہیں سکا، میرے دل میں پڑی ناراضگی سسکنے لگی، بابو جی دھیرے چلنا پیار میں ذرا سنبھلنا او بڑے دھوکے ہیں اس راہ میں یہ کیسا دھوکا کھایا تھا میں نے پیار میں۔

ہمارے مصنفین

''مباشرت کے سو طریقے'' وغیرہ شامل تھیں اب ان کتابوں کے مطالعے سے جو جنسی ہوس سے بھرپور معاشرہ وجود میں آیا ہے وہاں نہ چار سال کی بچی محفوظ ہے اور نہ چار بچوں کی ماں۔

ماں بھی خدا کی ایک نعمت ہے

سمندر کنارے ایک درخت تھا۔ جس پہ چڑیا کا گھونسلا تھا۔ ایک دن تیز ہوا چلی تو چڑیا کا بچہ سمندر میں گر گیا۔ چڑیا بچے کو نکالنے لگی، تو اُس کے اپنے پر گیلے ہو گئے اور وہ لڑکھڑا گئی۔ اُس نے سمندر سے کہا اپنی لہر سے میرا بچہ باہر پھینک دے۔ مگر سمندر نہ مانا۔ تو چڑیا بولی، دیکھ میں تیرا سارا پانی پی جاؤں گی۔ تجھے ریگستان بنا دونگی۔ سمندر اپنے غرور میں گرجا، کہ اے چڑیا! میں چاہوں تو ساری دنیا کو غرق کر دوں، تو میرا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ چڑیا نے اتنا سُنا تو بولی چل پھر خشک ہونے کو تیار ہو جا...اسی کے ساتھ اُس نے ایک گھونٹ بھرا اُور اُڑ کے درخت پہ بیٹھی، پھر آئی گھونٹ بھرا پھر درخت پہ بیٹھی۔ یہی عمل اُس نے سات، آٹھ بار دُھرایا۔ تو سمندر گھبرا کے بولا؛ پاگل ہو گئی ہے کیا؟ کیوں مجھے ختم کرنے لگی ہے؟ مگر چڑیا اپنی دھن میں یہ عمل دُہراتی رہی۔ ابھی صرف بیس، بائیس بار ہی ہوا کہ سمندر نے ایک زور کی لہر ماری اور چڑیا کے بچے کو باہر پھینک دیا۔ درخت جو کافی دیر سے یہ سب دیکھ رہا تھا، سمندر سے بولا، اے طاقت کے بادشاہ! تو جو ساری دُنیا کو پل بھر میں غرق کر سکتا ہے۔ اس کمزور سی چڑیا سے ڈر گیا، یہ سمجھ نہیں آئی؟ سمندر بولا، نہیں میں تو ایک ماں سے ڈرا ہوں۔ ماں کے جذبے سے ڈرا ہوں۔ اک ماں کے سامنے تو عرش ہل جاتا ہے۔ تو میری کیا مجال۔ جس طرح وہ مجھے پی رہی تھی مجھے لگا کہ وہ مجھے ریگستان بنا ہی دے گی۔ ماں ''اللہ پاک'' کی سب سے عظیم نعمت ہے۔ اس کی قدر کریں۔

مد دبے جا

جب میں پہلی بار تیز گام میں سوار ہوا اور پہلے سے موجود مسافروں سے پوچھا دینہ کب آئے گا مجھے وہاں اترنا ہے تو مسافروں نے بتایا بھائی یہ تیز گام گاڑی ہے دینہ میں نہیں رکتی دینہ سے گزرے گی مگر رکے گی نہیں یہ سن کر میں گھبرا گیا مسافروں نے کہا گھبراؤ نہیں دینہ اسٹیشن میں روز یہ ٹرین سلو ہو جاتی ہے تم ایک کام کرنا جیسے ہی ٹرین سلو ہو تو تم دوڑتے ہوئے ٹرین سے اترنا اور آگے کی طرف بنا رکے دوڑتے ہوئے کچھ دور جانا جس طرف ٹرین جا رہی ہے اس طرف ہی دوڑنا تو تم گروگے نہیں دینہ آنے سے پہلے ہی مسافروں نے مجھے گیٹ پر کھڑا کر دیا اب دینہ آتے ہی میں ان کے بتانے کے مطابق پلیٹ فارم پر کودا اور کچھ زیادہ ہی تیزی سے دوڑ گیا اتنا تیز دوڑا کہ اگلے کوچ تک جا پہنچا اس دوسرے کوچ کے مسافروں میں کسی نے میرا ہاتھ پکڑا تو کسی نے شرٹ پکڑی اور مجھے کھینچ کر ٹرین میں چڑھا لیا اب ٹرین رفتار پکڑ چکی تھی اور سب مسافر کہہ رہے تھے۔تمہارا نصیب اچھا ہے جو تجھے یہ گاڑی مل گئی۔
ورنہ یہ تیز گام ہے اور دینہ میں نہیں رکتی!!

جدید امی جان

ایک بیس بائیس سالہ نوجوان ناہید سپر مارکیٹ میں داخل ہوا، کچھ خریداری کر ہی رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی خاتون اسکا تعاقب کر رہی ہے، مگر اس نے اسے اپنا شک سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا اور خریداری میں مصروف ہو گیا، لیکن وہ عورت مستقل اسکا پیچھا کر رہی تھی، اب کی بار اس نوجوان سے رہا نہ گیا، وہ یک لخت خاتون کی طرف مڑا اور پوچھا، ماں جی خیریت ہے؟ عورت: بیٹا آپ کی شکل میرے مرحوم بیٹے سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے، میں نہ چہتے ہوئے بھی آپکو اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے آپکے پیچھے چل پڑی اور ابھی آپ نے مجھے امی جان کہا میرے دل کے جذبات فرطِ محبت وخوشی سے لائق بیان نہیں' عورت نے یہ کہا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے' نوجوان: کوئی بات نہیں ماں جی آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں' عورت: بیٹا کیا ایک دفعہ پھر آپ مجھے ماں جی کہو گے؟ نوجوان نے اونچی آواز سے کہا جی ماں جی لیکن خاتون نے گویا نہ سنا ہو' نوجوان نے پھر بلند آواز سے کہا جی ماں جی...عورت نے سنا اور نوجوان کے دونوں ہاتھ پکڑ کے چومے، اپنی آنکھوں سے لگائے اور روتے ہوئے وہاں سے رُخصت ہوگئ' نوجوان اس منظر کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ اپنی خریداری پوری کئے بغیر واپس چل دیا' کاؤنٹر پر پہنچا تو کیشیئر نے دس ہزار کا بل تھما دیا' نوجوان نے پوچھا دس ہزار کیسے؟ کیشیئر: آٹھ سو کا بل آپکا ہے اور نو ہزار دو سو آپکی والدہ کا، جنہیں آپ ابھی امی جان امی جان کہہ رہے تھے' وہ دن اور آج کا دن ہے نوجوان اپنی حقیقی امی کو بھی خالہ جان کہتا ہے۔

سجدہ - افسانچہ- (تحریر مبشرہ ناز)

حدیث میں تو یہاں تک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ روا ہوتا، تو عورت کو حکم ہوتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے جانتی ہو اس کا مطلب؟ میں اپنی بیوی کو بری طرح ڈانٹ رہا تھا وہ رو رہی تھی بار بار معافیاں مانگ رہی تھی۔تو جانتا ہے اس کا مطلب۔ابا جانے کب آئے تھے اور سب سن رہے تھے۔تو رب جیسا تو بن۔کیا بن سکتا رب جیسا۔۔۔؟ رب کی صفات پیدا کرنی ہوں گی جانتا ہے اُسے۔؟ اس کے رحم وکرم کی حدوں کو ناپ سکتا ہے۔
رحم کرنے والا، بار بار رحم کرنے والا۔بن مانگے دینے والا
دل کی آنکھ سے بہنے والے ندامت کے اِک آنسو کو رائیگاں نہ جانے دینے والا۔تُو سجدے مانگتا ہے اس معصوم سے جو دن رات تیری اور تیرے بچوں کی خدمت کرتی ہے۔تیری امانتوں کی حفاظت کرتی ہے۔کیا تیرے لیئے جائز ہے کہ تو بیوی کو اس کے والدین سے ملنے سے روک دے اور قطع تعلق کرا دے، ہرگز نہیں اس صورت میں تیرا حکم ماننا اس پر واجب نہیں مگر وہ مانتی ہے تُو پھر بھی اُس پر بگڑتا ہے اپنی مرضی کی سب احادیث تجھے یاد ہیں اس کے سجدے تجھے نظر نہیں آتے۔یہ سجدے ہی تو ہیں یہی تو ہے عورت کی وفا اس کی روحانیت۔دل کی آنکھ سے دیکھ ورنہ پچھتائے گا میری طرح، ابا رو دیئے آج اُن کے لہجے میں عجیب سی تڑپ تھی۔میں شرمندہ تھا کیا ہوا ابا؟ ابا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے میں بھی اس سے سجدے مانگتا رہا اُس کی ریاضتیں مجھے نظر ہی نہیں آئیں۔تب اس کی سسکیاں مجھے سنائی نہیں دیتی تھیں اب ہر وقت ساتھ رہتی ہیں۔میں رب جیسا نہیں بن سکا تو رب جیسا بن اس دن سے میں رب جیسا بننے کی کوشش میں لگا ہوں شاید کبھی کامیاب ہو جاؤں۔

پاکستان حکمرانوں کی خدمت میں

یعقوب امجد (کھاریاں)

۱۱ ستمبر، ۱۹۴۸ء سے تادمِ تحریر وطن میں طرح طرح کے حکمران آئے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد نام نہاد موقع پرستوں کا ایک گروہ جمع کر لیتے ہیں اور وطنی ضرورت وخدمت سے بے نیاز ہوکر پاکستانی قوم کو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کر دیتے ہیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے کوئی قتل کیا گیا، کسی کو بیک بینی ودوگوش پکڑ کر اقتدار سے الگ کر دیا گیا۔ توکسی کو سرِ دار کھینچا گیا، توکسی کو قیمت لگا کر جلاوطن کر دیا گیا۔ ذرا اپنے اپنے گریبان میں جھانکئے کیا یہ وہی قوم ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا تھا: کبھی اے نوجواں مسلم ! تدبر بھی کیا تو نے؟

وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں میں تاجِ سردارا !

آج وہی قوم بظاہر آزاد ہے اور دنیا بھر میں اس کی تعداد ایک ارب کے قریب ہے۔ مگر اُس کی کوئی قدرومنزلت ہے نہ رائے کا احترام ہے اور نہ اس کی آواز میں کوئی اثر ہے۔ یہ تغیر کیوں ہوا ہے؟

حیرت ہے کہ آج اسلام پر نازک دور آیا ہوا ہے، مگر نہ صرف اپنے وطن میں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں ہر کوئی اپنی اپنی ڈفلی بجا رہا ہے اور اپنا اپنا راگ گا رہا ہے۔ گویا پورا عالم اسلام اپنی خودی سے بے نیاز ہوکر ''خراج کی قیصری'' پر مست ہے۔ ایک اڑتی سی نظر الجزائر سے لے کر عرب ممالک سے گزرتے ہوئے، ایران، افغانستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے گزرتے ہوئے ملائیشیا اور انڈونیشیا تک ڈالئے، بھلا کونسا اسلامی ملک ہے، جو اپنی خودی پر کسی کی نظر غلط نہیں پڑنے دیتا؟ یقیناً ایک بھی اسلامی ریاست ایسی نہیں ملے گی، جو کسی نہ کسی انداز میں یورپ اور امریکہ کو خراج دے کر اپنے وجود کو قائم رکھنے پر مجبور نہ ہو۔ آخر اسلامی دنیا اپنے اس کردار کو بدلنے کے لئے کوئی قدم کیوں نہیں اُٹھاتی؟ چند گذارشات تحریر کرتا ہوں۔

۱۔ جلد سے جلد اپنی اَنا کو قربان کر کے اسلام کی سربلندی وسرفرازی کیلئے تمام اسلامی ریاستوں کو ایک رشتۂ اتحاد میں پرو کر ''اسلامی اخوت'' کے جذبے کے تحت ''اسلامی اَقوامِ متحدہ'' کی طرح ڈالیئے۔ یہ عمل پاکستان سے آغاز پاسکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک ''اسلامی جمہوریہ'' ہے۔ اگر یہ خلوص دل سے اس اتحاد کے لئے آواز اُٹھائے، تو یقیناً اسے پذیرائی مل سکتی ہے۔ اس لئے کہ پاکستان جدید دور کا ایک جمہوری ملک ہے اور ہر قسم کی قدرتی دولت سے مالا مال ہے۔

۲۔ جب ہم نے اپنے آئین میں یہ لکھ دیا ہے کہ قرآن وسُنت پاکستان کا سپریم لاء ہے، تو پھر انفرادی واجتماعی زندگی میں اس پر عمل کرنے سے تاحال گریز کیوں ہے؟ قانون تبھی نظر آتا ہے، جب وہ انسانوں کی روزمرّہ زندگی میں عمل کی کسوٹی سے گذرتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے قرآن مجید کو نہ صرف پڑھ کر سنایا بلکہ اُس پر عمل کر کے اُسوہ حسنہ پیش فرما کر ہمیشہ کیلئے چراغ راہ روشن کر دیا تاکہ آنے والے ہر دَور میں نُور کے طالب ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں۔ علامہ اقبال نے ہماری اس کوتاہی کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

۳۔ اُسوہ حُسنہ صرف پڑھا نہ جائے، بلکہ اُس پر عمل کیا جائے۔ ہمارے حکمران کہہ سکتے ہیں کہ پاکستانیوں کو عمل سے کون روک سکتا ہے؟ درست ہے مگر یہ بھی قول ہے ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم'' یعنی عوام الناس عمل میں حکمرانوں کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ معاشرہ کے ہر طبقے کیلئے حکمران اپنے عمل کا نمونہ پیش کریں تاکہ کسی بھی پہلو سے کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہ ملے اسلامی تاریخ نے حکمران طبقے کے نمونے محفوظ کئے ہیں۔ کیا ہمارے آج کے حکمران کسی بھی پہلو سے اُن سے افضل ہیں؟ تو پھر اپنے عوام کیلئے وہ عملی نمونہ کیوں نہیں پیش کرتے ہیں۔ خلفائے راشدین (چاروں) چراغ کی طرح آج بھی روشن ہیں اور دینی سیاسی اور معاشرتی واقتصادی ہر رنگ میں ''اسوہ حسنہ'' کے پہلو بہ پہلو اُن کے نمونے بھی تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خلفائے راشدین کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا نمونہ بھی حکمرانوں کیلئے نجی، سیاسی معاشرتی اور دینی زندگی میں ایک روشن چراغ ہے۔ اُنکے دور میں اسلامی سلطنت وریاست کی حدود غیر معمولی طور پر وسعت پذیر ہو چکی تھیں۔ انھوں نے دو سال اور پانچ ماہ کے اندر اسلامی ریاست کو ایک مثالی ریاست بنا کر مسلمانوں کی کایا پلٹ دی تھی۔ اُن کا دستور تھا کہ نجی کاموں کے لئے اپنا چراغ جلاتے تھے اور سرکاری کاموں کے لئے سرکاری دیا روشن کرتے تھے۔ یہ عمل بظاہر معمولی سا ہے۔ مگر اپنے وطن سے متعلق جو اخباری اطلاعات ہیں اُنھیں پڑھنے کے بعد اس عمل پر سختی سے کاربند ہونے کی ضرورت ہے۔ گذشتہ دور میں

ایک جرنیل صاحب جو بزعمِ خویش امیر المومنین بننے کے خواب دیکھتے تھے اور ان کے بعض فوجی حواری ان کو ''فاتح افغانستان'' کہتے تھے، اُن کے باورچی خانے میں روزانہ چار من گوشت پکتا تھا کیا اپنے پیارے آقا کا ''اُسوہ حسنہ'' یاد نہیں کہ مدینے کا حکمران بن جانے کے بعد بھی آپؐ کے گھر میں دو دو، تین تین ،دن تک چولھا نہیں جلتا تھا؟

۴۔صداقت و دیانت اور عدالت: اِخلاق فاضلہ تو بے شمار ہیں مگر تینوں خلق بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔جس طرح انسانی جسم کے اندر ریڑھ کی ہڈی تمام جسم کے اعضاء کو منضبط رکھتے ہیں اسی طرح ''عدالت'' کا خلق تمام نظام ریاست کو استوار رکھتا ہے اور جس طرح انسانی جسم بھاری بھر کم ہونے کے باوجود دو ٹانگوں پر قائم رہتا ہے۔اسی طرح ''صداقت اور دیانت'' کے دوستونوں پر ریاستی نظام مستحکم طور پر کھڑا رہتا ہے۔پس ملک کوئی بھی ہو اور معاشرہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی یہ تینوں بنیادی خلق اُسکے استحکام و دوام کی ضمانت بن جاتے ہیں۔ہر دور کی تاریخ اس کے لئے شواہد پیش کرتی ہے۔کیا ہمارے حکمران ذرا فکر و تدبر سے کام لیں گے؟ ذرا اپنے قومی شاعر علامہ اقبال کا یہ شعر بھی زیر نظر ہے:

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۵۔پاکستان کا آئین اگرچہ بعض سیاسی جماعتوں نے باہمی مشاورت سے بنایا تھا۔مگر ہر دور میں اس میں، جو من مانی ترامیم کر کے اس کا وجود متنازع بنادیا گیا ہے۔اسے ''میثاقِ مدینہ'' کی روشنی میں از سرِ نو مرتب کیا جائے تاکہ یہ چاروں صوبوں کیلئے یکساں قابل قبول ہو۔اور ہر مکتب خیال ہر مذہب اور ہر طبقے کا پاکستانی اسے اپنا آئین سمجھے اور وہ اطمینان پا سکے۔ورنہ خطرہ ہے کہ وہ عناصر جو کبھی کبھی انگڑائی لے کر صوبائی خودمختاری کا نعرہ لگاتے ہیں وہ کوئی ایسا ہی گل نہ کھلا دیں کہ دین کہ وطن کے عزیز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جائے۔

۶۔اگر واقعی اسلام کا درد ہمارے دل میں جاگزیں ہے اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ'' کا طور پر چلانے کے آرزو مند ہیں۔تو ہمیں مغربی پارلیمانی انتخابات کو ترک کر کے خالص اسلامی بنیادوں پر ''اُولوالامر'' کا انتخاب کرانا ہوگا اور پھر اسلامی انداز پر ہی درجات، مراتب کو متعین کرنا ہوگا۔اس انداز پر عمل کرنے سے ذیل کے فوائد حاصل ہوں گے۔

۱۔حزب اقتدار اور حزب اختلاف، دونوں ختم ہو کر پوری قوم ''اُمت واحدہ'' بن جائے گی۔خواہ مخواہ قوم دو گروہوں میں بٹ کر پہلے ہی دن اقتدار کی ٹانگ کھینچنے کی فکر کرنے لگ جاتی ہے۔اسلام میں حکام اعلیٰ ہر وقت ہر قسم کے احتساب کے لئے تیار رہتا ہے۔

۲۔صدر کے علاوہ باقی وزیروں اور مشیروں کو نامزد کیا جائے اور اُن کے مراتب برابر ہوں گے۔کوئی وزیر اعظم نہیں ہوگا۔اسلامی دور اس پر شاہد ناطق ہے۔

۳۔ہر صوبے میں صدر صوبائی نظم و نسق کے لئے والی،نگران یا گورنر جو بھی نام رکھ لیں نامزد کرے گا۔اس کے بعد ہر گورنر اپنے لئے مشیر و وزیر نامزد کرے گا۔ہر گورنر اپنے لئے اہل تقویٰ کی ایک مشاورتی مجلس بھی نامزد کرے گا۔

۴۔قومی اور صوبائی اسمبلیاں اور سینٹ کا وجود محض مغربی پارلیمانی نظام حکومت کی علامتیں ہیں۔ان میں انتخابات کے ذریعے جس جس قماش کے لوگ آگے آتے ہیں، اُن کا حال گذشتہ نصف صدی کی پاکستان کی سیاسی و انتخابی سرگرمیوں سے خوب معلوم ہو چکا ہے۔اس عمل سے نہ صرف شفاف لوگ خدمت کے لئے آگے آئیں گے، بلکہ قومی خزانے پر سے انتخابات کا ناجائز بوجھ اُتر جائے گا اور پاکستان کو اربوں روپوں کی بچت ہوگی۔الغرض یہ وہ خاص خاص اُمور ہیں جو اسلامی آئین کے تحت اختیار کیے جائیں اور اوپر سے نیچے تک یہ عمل جاری ہو جائے تو پاکستان ایک باوقار اور خوشحال ملک بن کر اقوام عالم میں ایک مقام پاسکتا ہے۔

****

پریم ناتھ بسملؔ

کبھی تو پوری مرے دل کی آرزو ہوگی
کبھی وہ شام بھی آئے گی پاس تو ہوگی
کھِلے گی گلشنِ امید کی کلی تو کبھی
فضا میں خوشبو تمہاری ہی چار سو ہوگی
وہ دن بھی آئیگا ایک دن کہ اے صنم تم سے
مری بھی پیار سے دن رات گفتگو ہوگی
عجب نہیں کہ خوشی میں مچل بھی سکتا ہوں
کھلے گی آنکھ مری اور تو روبرو ہوگی
کبھی افق پہ شفق اور ہوگی تو چھت پر
میں دیکھتا ہی رہوں گا تو سرخرو ہوگی
جہاں میں جاؤں میں بسملؔ کہیں مگر جانم
مری نظر کو تمہاری ہی جستجو ہوگی

حلقہ ارباب ذوق کے زیر اہتمام
جرمنی میں معروف شاعر اسحاق ساجد کی کتاب
''برکھا من میں آگ لگائے'' کی تقریب پذیرائی

ڈاکٹر منور احمد کنڈے

مورخہ تین اکتوبر 2020 بروز ہفتہ حلقہ ارباب ذوق جرمنی کے زیر اہتمام اسحاق ساجد صاحب کی گیتوں پر مشتمل نئی کتاب ''برکھا من میں آگ لگائے'' کی تقریب رونمائی کا انعقاد کیا گیا جو دو حصوں پر مشتمل تھی۔ پہلے حصہ کی نظامت راشد ملک رامش سیکرٹری اطلاعات حلقہ ارباب ذوق جرمنی نے کی اور اسحاق ساجد صاحب کی کتاب پر لندن سے خصوصی طور پر بھیجا گیا ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب کا مضمون پڑھتے ہوئے کتاب میں موجود گیتوں کے حوالے سے بہت سی پرتیں کھولیں۔ سامعین نے اس مضمون کو بہت پسند کیا اور بہت توجہ سے ڈاکٹر منور احمد کنڈے صاحب کی علمی گفتگو سے سیراب ہوئے۔ دوسرا مضمون حلقہ ارباب ذوق جرمنی کے جنرل سیکریٹری جناب احمد مستجاب عارفی صاحب نے پڑھا جس کے آغاز میں انہوں نے اسحاق ساجد صاحب کا علمی خاکہ پیش کیا اور بر صغیر میں صنف گیت کے آغاز کا پس منظر بیان کرنے کے بعد اسحاق ساجد صاحب کی کتاب میں موجود گیتوں کی ہیئت اور فنی خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے انکے ہی ایک دلفریب گیت پر اپنی گفتگو کو سمیٹا۔ اس حصہ کی صدارت حلقہ ارباب ذوق جرمنی کے صدر طاہر عدیم صاحب نے کی جبکہ مہمان خصوصی کی نشست پر اسحاق ساجد صاحب جلوہ افروز رہے۔ مضامین کے بعد سامعین کی تالیوں کی گونج میں ''برکھا من میں آگ لگائے'' کی رونمائی کی گئی۔ اس موقع پر پنجابی ادبی تنظیم پنجند جرمنی کے صدر امجد عارفی صاحب اور جرمنی کی معروف شاعرہ فہمیدہ مسرت احمد صاحبہ نے اسحاق ساجد صاحب کو پھول پیش کیے۔

بعد ازاں اسحاق ساجد صاحب نے اپنی گفتگو میں کتاب میں موجود گیتوں پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ حلقہ ارباب ذوق جرمنی کی علم وادب کے فروغ کیلئے کوششوں کو بھی سراہا۔ اسحاق ساجد صاحب نے سامعین کو اپنے خاص ترنم میں گیت سنا کر بہت سی داد سمیٹی۔ پہلے حصے کے اختتام پر طاہر عدیم صاحب نے آنے والے مہمانان کا شکریہ ادا کیا اور اسحاق ساجد صاحب کو ''برکھا من میں آگ لگائے'' کی مبارک باد دیتے ہوئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اس محفل کا دوسرا حصہ جو مشاعرہ پر مشتمل تھا کی نظامت حلقہ ارباب ذوق جرمنی کے نائب صدر جناب رفیق احمد بٹ صاحب نے کی۔

مشاعرہ کا باقاعدہ آغاز کرتے ہوئے انہوں نے تنظیم کے صدر طاہر عدیم صاحب کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی تاکہ وہ صدر مشاعرہ جناب راجہ یوسف صاحب اور مہمان خصوصی جناب اسحاق ساجد صاحب کو انکی نشستوں پر خوش آمدید کہہ سکیں۔ شعراء کرام کو زحمت کلام دینے سے پہلے رفیق احمد بٹ اور احمد مستجاب عارفی صاحبان نے خوب صورت انتخاب پیش کیا اور سامعین سے بہت ساری داد سمیٹی۔ اس محفل مشاعرہ میں جن شعراء وشاعرات نے اپنا کلام سنایا ان کے نام یہ ہیں۔ عبدالباسط سمبڑیالوی۔ محمد اشرف ڈوگر۔ راشد محمود۔ ہما فلک۔ فرزانہ ناہید وڑائچ۔ چوہدری کرم الٰہی۔ کاشف تنویر۔ فہمیدہ مسرت احمد۔ امجد عارفی۔ راشد ملک رامش۔ وسیم طاہر۔ قنبر عارفی (پاکستان سے آن لائن) اسحاق ساجد۔ طاہر عدیم۔ مشاعرے کے اختتام پر صدر محفل راجہ یوسف صاحب نے اسحاق ساجد صاحب کو انکی کتاب کی رونمائی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے شعراء وشاعرات کے کلام، سامعین کے حسن ذوق اور حلقہ ارباب ذوق جرمنی کی اردو ادب کے فروغ کے حوالے سے ان تھک محنت اور کوششوں کو بے حد سراہا۔ محفل مشاعرہ کے دوران ایک ننھے مہمان محمد طاہر عرف مٹھا بابا (طاہر عدیم کے صاحب زادے) نے سٹیج پر آ کر ایک مقامی گیت سنایا اور محفل کے حسن میں چار چاند لگا دیے۔

احباب کی یادداشت کیلئے یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ حلقہء ارباب ذوق کے گلدستہ میں ایک خوبصورت پھول کا اضافہ ہوا جو اپنی الگ مہک رکھتا ہے، کاشف تنویر صاحب کی حلقہ میں باقاعدہ شمولیت پر حلقہ ارباب ذوق کی انتظامیہ نے انہیں پھولوں اور نیک خواہشات کے ساتھ خوش آمدید کہا خدا کرے کہ وہ اپنی تمام تر علمی وادبی صلاحیتوں کے ساتھ حلقہ ارباب ذوق کے مقاصد کے حصول کیلئے ممد ثابت ہوں آمین۔ آخر پر لذیذ عشائیہ اور چائے سے آنے والے معزز مہمانوں کی تواضع کی گئی اور یہ خوبصورت محفل اختتام پذیر ہوئی۔ احمد مستجاب عارفی۔ جنرل سیکریٹری حلقہء ارباب ذوق جرمنی۔

نیازؔ جیراجپوری کا شخصیت نامہ:

ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی

ڈومن پورہ (کساری) مئوناتھ بھنجن (یوپی)، انڈیا

دیارِ شبلی اعظم گڑھ علمی، ادبی اور شعری لحاظ سے بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے۔ اس کے گرد ونواح کی بستیاں بھی علمی ادبی سرسبزی وشادابی کے لیے مشہور رہی ہیں تخلیق ادب اور ادب پروری تو اس پورے علاقے کے خمیر میں داخل ہے اور یہی اس کا خاص طرۂ امتیاز بھی تصور کیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی، مولانا اسلم جیراج پوری ،حمید الدین فراہی، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، سرشاہ سلیمان، مولانا اقبال سہیل ،راہل سنس کرتاین، کیفی اعظمی، رحمت الٰہی برقؔ علی جواد زیدی، پروفیسر سید احتشام حسین، فضا ابن فیضی، اثر انصاری، لکشمی نرائن مشرا، ایودھیا سنگھ اُپادھیائے ہری اودھ، یحییٰ اعظمی، شمیم کرہانی، قاضی اطہر مبارکپوری، صفی الرحمٰن مبارکپوری، امجد غزنوی، احسان بیگ اور شمس الرحمن فاروقی جیسے علم وادب کے ماہ وانجم نہ جانے اس علاقے نے کتنے پیدا کیے ہیں۔

نیازؔ جے راج پوری بھی اسی دیار کے پروردہ ہیں۔ وہ ۲۱ مئی ۱۹۶۰ء کو جیراجپوری میں پیدا ہوئے۔ وہی جیراجپوری جو مولوی عبداللہ جے راج پوری، مولانا اسلم جے راج پوری اور پروفیسر شمیم جے راج پوری کی بھی جائے پیدائش ہے اور جہاں کی علمی ادبی روایت بڑی مستحکم رہی ہے اور آج بھی ہے جس کی زندہ مثال نیاز جیراج پوری ہیں۔ موصوف کی ابتدائی تعلیم اسی گاؤں میں ہوئی، یہیں پلے بڑھے ۔ثانوی تعلیم شبلی انٹر کالج اعظم گڑھ میں ہوئی، اس کے بعد مزید حصولِ تعلیم کے لیے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی چلے گئے اور تقریباً چودھ سالوں تک بحیثیت متعلم قیام پذیر رہے اور پی۔ یو۔ سی، بی۔ اے، ایم۔ اے۔ (معاشیات) ایل ایل۔ بی۔ اور ایل ایل۔ ایم۔ کی ڈگریاں لے کر جے راج پور واپس ہوئے۔ شعر وشاعری کا ذوق بچپن سے تھا، گھر خاندان اور گاؤں میں بھی شعر فہمی عام تھی۔ آپ کے والد عظیم اللہ عبدالرشید بھی شعر وشاعری کے دلدادہ تھے۔ اس لیے اندر باہر کا ماحول بھی شاعری آشنا تھا جس کے اثرات معصوم نیاز کے ذہن ودل پر بھی مرتب ہوئے اگرچہ انھوں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز علی گڑھ کی طالب علمی کے زمانے میں کیا اور اپنی پہلی غزل ۱۹۷۹ء میں کہی۔ علی گڑھ طالب علمی کے زمانے میں ہی جب ہال میگزین' مسعود' کے ایڈیٹر بنائے گئے تو یہیں سے شاعری کے ساتھ ساتھ پہلی بار ادبی صحافت سے بھی وابستگی شروع ہوگئی اور انھوں نے اسی ہال میگزین ''مسعود'' کے لئے بی۔ بی ۔سی۔ لندن سے وابستہ رضا علی عابدی سے پہلا انٹرویو بھی لیا۔ جو' دوران گفتگو' کے عنوان سے ہال میگزین ''مسعود'' میں شائع بھی ہوا۔ اسی زمانے میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے کہانیوں کے مقابلے میں شرکت کی اور ان کی کہانی ''مسافر کی دستک'' اوّل انعام کے لیے منتخب کی گئی اور وہ شاعری وادبی صحافت کے ساتھ افسانہ نگاری کی طرف بھی مائل ہو گئے اور متعدد کہانیاں بھی لکھیں جو بعد میں معاصر اخبارات ورسائل میں شائع بھی ہوئیں۔ جن میں کتاب نما، فلمی ستارے، گلفام، اور انشاء جیسے رسالے بغور خاص قابل ذکر ہیں۔ اسی دوران ان کی بہت سی شعری تخلیقات یکے بعد دیگرے ماہنامہ ''شمع'' وغیرہ میں بھی شائع ہوئیں۔ یہ وہ دور تھا جب ''شمع'' میں کسی ادیب یا شاعر کی تخلیق شائع ہوجانا معراج تصور کیا جاتا تھا۔ چنانچہ شمع میں شعری تخلیقات کی اشاعت نے ملک گیر شہرت ومقبولیت کے لیے راہ ہموار کر دی۔ اس کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو سے بھی بہت سی نظمیں، غزلیں ،اور ٹاک نشر ہوئے اور نیازؔ جیراجپوری ایک نوجوان اردو شاعر وادیب کی حیثیت سے متعارف ہو گئے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے فراغت کے بعد جب جے راجپور واپس آ گئے تو معروف فلمی اداکار اور پروڈیوسر منوج کمار سے ان کا تعارف ہوا اور تعلقات بھی استوار ہوگئے اور انھیں کے ایما پر نیاز ممبئی بھی گئے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے لیکن بعض ناگزیر وجوہات کے باعث وہ وہاں زیادہ دنوں تک نہ ٹھہر سکے اور جے راجپور آ کر گھر گرہستی اور زمین جائداد کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔ شادی شدہ نیاز اعظم گڑھ شہر کے محلہ جالندھری میں اپنے والد کے بنوائے ہُوئے مکان میں رہنے لگے اور بچوں کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت کی نگرانی میں لگ گئے۔ شعر و شاعری کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اور قرطاس وقلم کا کاروبار بھی بحال رہا اور ان کی غزلیں، نظمیں اور دیگر شعری اصناف اُردو کے مختلف اخبارات ورسائل میں تواتر کے ساتھ شائع بھی ہوتی رہیں لیکن نثر نگاری کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی ۔موصوف نے ''گیت غزل'' جیسی تجرباتی صنف شاعری میں بھی طبع آزمائی کی جو دراصل گیت اور غزل جیسی دوسری شعری اصناف کی خصوصیات سے آراستہ ایک مرکب صنف شاعری کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس صنف نے انھیں نئی شہرت ومقبولیت سے ہمکنار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ نیاز جیراج پوری کے گیتوں اور نظموں کا ایک مجموعہ ''بہاروں کی اداسی'' کے نام سے ۱۹۹۴ء میں دیوناگری رسم خط میں شائع ہوا۔ میں نے وہ مجموعہ دیکھا نہیں ہے صرف اس کے بارے میں سنا ہے اور میرے ایک دوست بلکہ ہم دونوں کے مشترکہ دوست ان کے اس مجموعہ کو ان کی ''متبنیٰ اولاد'' کہتے ہیں اس وضاحت کے ساتھ کہ تخلیقی اعتبار سے نہیں رسم خط کے اعتبار سے۔

نومبر ۲۰۰۳ء میں نیازؔ جیراج پوری نے اعظم گڑھ سے ایک رسالہ ماہنامہ ''شاندار'' کا اجرا کیا جو اب بھی جاری ہے مگر تسلسل سے نہیں، پھر بھی 'شاندار' میں کئی اہم شاعروں اور ادیبوں کے خصوصی گوشے بھی شائع کئے جو اردو کے ادبی حلقوں میں پسند بھی کئے گئے۔

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں راقم نے بھی مئو سے ایک ادبی رسالہ ماہنامہ ''ادب نکھار'' کا اجراء کیا تھا جو تقریباً سولہ سالوں تک جاری رہا، اسّی کی دہائی میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جن طالب علم قلم کاروں نے ماہنامہ 'ادب نکھار' میں اپنی شعری

اور نثری تخلیقات ونگارشات کے لیے رابطہ قائم کیا تھا ان کی نگارشات وتخلیقات بھی شائع ہوتی تھیں ان میں ابوالکلام قاسمی ،اسعد بدایونی ،شمس بدایونی ، پیغام آفاقی ،غضنفر علی غضنفر ،شہپر رسول اور نیاز جیراجپوری وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔نیاز جیراج پوری کی تخلیقات تو ایک عرصہ تک کثرت سے شائع ہوتی رہیں اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی جاری رہا اور اسی زمانے سے جو تعلق قائم ہوا تو وہ آج بھی باقی ہے اور اس تعلقاتی موسم میں کبھی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ ساحل سمندر کے علاقے کے موسموں کی طرح بدستور یکساں اور معتدل ہے اور ہم دونوں تقریباً ہم عمر بھی ہیں ہم عصر بھی اور ہم مشرب بھی۔

نیاز جیراج پوری کو میں ۱۹۷۹ء سے جانتا ہوں۔وہ شروع سے ہی یار باش مجلسی اور باتونی قسم کے واقع ہوئے ہیں۔بڑے نفاست پرست اور ہر دم لیے دیئے رہنے والے آدمی ہیں۔گفتگو بہت شگفتہ اور دلکش کرتے ہیں۔اور اکثر حقیقت پسندی میں زیب داستاں اور رنگینیٔ عبارت کے لیے مناسب مبالغہ آرائی سے بھی دریغ نہیں کرتے ہیں مگر نفس مضمون کی صداقت کی اساسی برقرار رکھنے میں بھی اٹل رہتے ہیں۔جس سے مخاطب لطف اندوز بھی ہوتا ہے اور فیض یاب بھی ۔گفتگو کا موضوع کوئی بھی مقامی ،علاقائی ،ادبی ،سیاسی ،معاشرتی ،ملی ،مذہبی یا حالات حاضرہ ،ان کا اپنا مخصوص انداز اور نقطۂ نظر ہوتا ہے اور اس سے یک سر مو انحراف کرنے کے لیے قطعی تیار نہیں ہوتے۔رائی کو پربت اور پربت کو رائی بنانے کا فن بھی خوب جانتے ہیں مگر اسے وہ عموماً ریزرو رکھتے ہیں۔لوگوں کا خیال ہے کہ اگر وہ وکالت کا پیشہ اختیار کرتے تو ممکن تھا کہ مولانا اقبال سہیل کے ثانی ثابت ہوتے۔موصوف فطرتاً حقیقت پسند ہیں اور حق گوئی وصداقت کو بچائے رکھنے کے لئے کوشاں بھی رہتے ہیں ۔ایک بار کسی گفتگو کے دوران میں نے ان سے کہا کہ آپ نے قانون کی تعلیم حاصل کی ہے اگر وکالت کا پیشہ اختیار کیے ہوتے تو اپنے زمانے کے کامیاب وکیل ہوتے ،انھوں نے فوراً جواب دیا ’’لیکن سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بھی ثابت کرنا پڑتا‘‘ میں نے ازراہ مذاق مزید کہا کہ اور اس میں آپ کو خاصی مہارت بھی ہے پھر اپنے مخصوص انداز میں جواب دہی لگاتے ہوئے بولے’’اسی لیے تو میں نے علی گڑھ جیسی یونیورسٹی سے قانون کی اعلیٰ ڈگری کے باوجود اس پیشے سے قصداً گریز کیا ہے۔‘‘

نیاز صاحب فطرتاً وسیع الذہن اور کشادہ مزاج ہیں ،علاقائی تنگ نظری ،مذہبی عصبیت اور اونچ نیچ کے وہ سخت مخالف ہیں حالانکہ خود اچھے خاصے مذہبی ہیں مگر وہ تعصب اور تنگ نظری کو مذہب کی اصل روح کے خلاف سمجھتے ہیں اور سارے بنی نوع انسان کو ایک ہی حضرت آدم کی اولاد مانتے ہیں۔ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ہندستان کی مذہبی ،لسانی اور تہذیبی اکثریت اس کی انفرادی شناخت بھی ہے اور خاص حُسن بھی۔یہ ملک ہمیشہ سے کثرت میں وحدت کا عدیم المثال نمونہ رہا ہے اور جو لوگ اس کے اس فطری اور امتیازی وصف کے خلاف ہیں اور پورے ملک کو ایک مخصوص رنگ میں رنگ دینا چاہتے ہیں وہ ہندستان کے حمایتی نہیں بلکہ اپنی تنگ ذہنی اور مخصوص نظریے کے غلام اور ملک کے نادان دوست ہیں۔یہ ملک صدیوں سے مختلف مذاہب ،زبانوں اور تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے۔یہاں مختلف زبانیں بولنے والے ،مختلف مذہبوں کے ماننے والے اور مختلف رنگ ونسل ،تہذیب وثقافت اور ذات برادری کے لوگ ایک طویل ترین عرصے سے آپسی یگانگت ،میل جول اور بھائی چارے کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔سیکولرزم ،رواداری اور وضع داری اس کی روح ہے اس لیے جب جب اس کی تکثیریت کو مٹانے کی کوشش کی گئی ہے بھاری نقصانات اٹھانے پڑے ہیں اور اقتدار کی ہوس ،عوامی جذبات کو بھڑکا کر جو سیاسی مفادات کا کھیل کھیلا جا رہا ہے اور فرقہ واریت ،مذہبی تعصب اور آپسی اختلاف کی جو کاوشیں ہو رہی ہیں وہ ہندستان کی فطرت اور مزاج کے خلاف ہے اور اس کے کثرت میں وحدت کے فلسفے کے لیے قاتل ہے اور جس کے اثرات بہر حال ملک کے اتحاد و یکجہتی اور فروغ وترقی کے لئے انتہائی سنگین اور مہلک ثابت ہوں گے،اس لئے ہمارے سیاسی رہنماؤں ،حکمرانوں ،حکومتی اداروں ،انتظامیہ کی کرسیوں پر فائز ذمہ داروں اور معزز شہریوں کو اس طرح کی دماغوں میں پنپنے والی منفی سوچ سے اپنے ذہن ودماغ کو پاک وصاف کرنے کی ضرورت ہے اور ایک صحت مند مثبت سوچ ،سیاسی بصیرت ،انتظامی حکمت عملی اور وسعت قلب ونظر سے کام لے کر اپنے نیک اور صالح کردار وعمل سے ایک ایسے معاشرے کی تشکیل وتعمیر میں معاون بننے کی ضرورت ہے جس میں واقعی سب کا ساتھ اور سب کا وکاس ہو سکے اور یہ محض سیا سی نعرہ نہ ہو کر ہماری عملی زندگی کی ایسی علامت اور نصب العین بن جائے جس کی واقعی ملک وقوم کو ضرورت ہے۔

انسان پہلے انسان ہے اس کے بعد کچھ اور ہے اس لیے انسانیت اور انسانی ہمدردی کا اس میں ہونا ضروری ہے۔نیاز جیراج پوری کے اندر ایک حساس اور درد مند دل ہے اور وہ فطری شاعر بھی ہیں۔وہ عہد حاضر کی جدید سائنسی اور تکنیکی ترقی سے متاثر بھی ہیں لیکن انھیں اس بات کا بھی شدت سے احساس ہے کہ ان تمام مادی اور تکنیکی ترقیوں کے باوجود انسانیت زوال پذیر ہے۔اس لیے یہ ترقیاں انسانیت کی معراج نہیں ہیں کیونکہ ان جدید ترقیوں کے زیر اثر آج کا انسان اپنے اصل مقصد اور محور سے ہٹتا جا رہا ہے انسان نے طرح طرح کی مشینیں ضرور ایجاد کر لی ہیں مگر خود انسانیت کمزور پڑ گئی ہے۔اس لیے ان ترقیوں سے فائدے کم اور نقصانات زیادہ ہوئے ہیں لہٰذا اس کا تجزیہ اور خود احتسابی کرنے کی ضرورت ہے اور ہر ترقی وعروج کو انسانیت کی فلاح میں معاون بنانے کی ضرورت ہے اور روحانیت کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے۔آج انسان انسانی اقدار ،مذہب ،روحانیت ،اخلاقیات ،ہمدردی ،محبت اور انسانیت سب خطرے میں ہیں اور ان پر جس قسم کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں اور جس بحرانی کیفیت سے آج انسان دوچار ہے،اس سے پہلے کبھی ایسی صورتِ حال پیدا نہیں ہوئی تھی۔اس لیے آج کے شاعروں ،ادیبوں اور فن کاروں کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں اب ان لوگوں کو بھی آگے آنا

چاہیے اور اپنے فن، ادب اور شاعری وغیرہ سے ایسے ماحول کی تعمیر وتشکیل میں سرگرم ہوجانا چاہیے جس میں انسانیت، ہمدردی، اخلاق اور خلوص کا بول بالا ہو اور اگر ایسا بر وقت نہیں کیا گیا تو مادیت اور صارفیت، سیاست، معاشرت، ادب، فن، تہذیب، مذہب اور شاعری و دانشوری سب کو یرغمال بنالے گی اور انسانیت دم توڑ کے رہ جائے گی۔ نیاز جے راج پوری ان حالات سے نہ صرف بخوبی واقف ہیں بلکہ اپنی شاعری میں اس کی فنکارانہ ترجمانی اور عکاسی بھی کرتے ہیں۔

انسان کی شخصیت میں اس کی طبیعت اور نفسیات کی بنیادی کارفرمائی ہوتی ہے، نیازؔ جیراج پوری بھی اپنے مزاج وفطرت کی افتاد کے لحاظ سے کبھی خود گرفتہ، خوددار، کم آمیز اور کبھی باتونی اور خود کو نمایاں کرنے والے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا لگنے لگتا ہے کہ موصوف جو بظاہر سادہ، بے تکلف اور تصنع سے عاری نظر آتے ہیں ایسا ہے نہیں اور ان کے اندر اور باہر کے موسم میں یکسانیت کا فقدان ہے۔ ان کے اندرون میں کوئی الاؤ سلگ رہا ہے اور اس کی آنچ اور دُھواں ان کی عام ہنستی بولتی زندگی میں دخل انداز ہو رہا ہے اور ان کے اندر کی کسی بڑی اُداسی کی چغلی بھی کر رہا ہے۔ ایسے وقت میں ان کے اندر کا فن کار زیادہ بیدار ہو جاتا ہے اور ان کی عام معمولات کی زندگی پر حاوی ہونے کی کوشش کرتا ہے اور جب سے ان کی بیوی کا انتقال (ستمبر ۲۰۱۴ء) ہوا ہے۔ ان کی یہ کیفیت زیادہ نمایاں طور پر محسوس کی جانے لگی ہے۔ آج کل وہ لکھتے زیادہ ہیں اور چھپتے کم ہیں نہیں تو ایک زمانہ تھا کہ کشمیر سے کنیا کماری تک شاید ہی کوئی ایسا اُردو کا رسالہ ہو جس میں ان کی تخلیقات نہ شائع ہوئی ہوں۔ آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے مگر ان کی تیز گامی میں سبک روی اور ٹھہراؤ کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اب تک جن رسائل واخبارات میں وہ شائع ہوئے ہیں ان کی تعداد بھی اگر ہزاروں میں نہیں تو سیکڑوں میں ضرور ہوگی۔ ہندستان کے علاوہ پاکستان، بنگلہ دیش، انگلینڈ، امریکہ، اسپین، سویڈن، کویت اور بہت سے دیگر بیرون ممالک سے نکلنے والے اردو رسائل وجرائد میں بھی وہ شائع ہوتے رہے ہیں۔

نیازؔ جیراج پوری اُردو، ہندی اور انگریزی تینوں زبانوں پر دسترس رکھتے ہیں۔ علم معاشیات میں ایم۔اے۔ ہیں دیگر علوم وفنون پر بھی ان کی گہری نظر ہے اور مطالعہ بھی وسیع ہے مگر شعروشاعری کا مطالعہ عموماً کم کرتے ہیں۔ شعر کہتے وقت غوروفکر سے بھی کم ہی کام لیتے ہیں اور اکثر برجستہ اور فی البدیہہ شاعری کرتے ہیں اور اِسی کو اپنا طرۂ امتیاز بھی تصور کرتے ہیں، موصوف کی شاعری کی طرح ان کی شخصیت میں بھی روایت کی طرف زیادہ جھکاؤ ہے۔ ان کی شخصیت وشاعری میں یہ ایک قسم کا تضاد ہے جس میں کسی نفسیاتی عوامل کی کارفرمائی معلوم ہوتی ہے جسے کوئی ماہر نفسیات ہی سمجھ سکتا ہے۔ یہ میرے جیسے معمولی اور کم فہم آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ شاعر وادیب چاہے جس زبان اور علاقے کا ہو اس کی شاعری اور ادب بتدریج وقت کے ساتھ سنورتی اور نکھرتی رہتی ہے۔ اس میں بدستور ارتقا کا عمل بھی جاری رہتا ہے اور تجربات ومشاہدات سے اس میں مثبت تبدیلی بھی رونما ہوتی رہتی ہے۔ تبدیلی کا عمل کسی میں سرعت کے ساتھ اور کسی میں سست روی کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ لیکن جہاں تک نیاز جیراج پوری کی بات ہے میں سمجھتا ہوں کہ ان کی شاعری اور شخصیت دونوں میں یہ تبدیلی وارتقا کا عمل نسبتاً سست روی کا شکار ہے۔ اسی تبدیلی اور مسلسل مشق وریاضت سے شاعر میں فکری اور فنی خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور اسی خود اعتمادی کی بدولت وہ نت نئے فکری اور فنی تجربات کرتا رہتا ہے اور اس کے مخصوص رنگ واسلوب کی بھی تشکیل ہوتی ہے اور اس کے موضوعات میں وسعت وہمہ گیری بھی آتی ہے۔ نیاز جیراج پوری کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ بظاہر خاموش طبع نظر آتے ہیں مگر کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ وہ ایک فرد ہیں مگر اپنے آپ میں ایک انجمن بھی ہیں۔ وہ موقع ومحل کے لحاظ سے بھی بولتے ہیں اور بڑے بڑوں کی بولتی بھی بند کر دیتے ہیں۔ شعروشاعری کی بزم ہو یا دوستوں کی نجی محفل موقع پا کر شگوفے چھوڑنے سے بھی باز نہیں آتے۔ تنقید بھی اچھی کر لیتے ہیں اور اساتذہ کے شعروں کی تشریح تو ایسی کرتے ہیں کہ صاحب شعر کی روح اور سامع دونوں حیرت زدہ رہ جاتے ہیں وہ اپنے رسالہ "شاندار" میں کتابوں پر تبصرہ شائع نہیں کرتے ہیں مگر ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ تبصرہ نویسی اور تبصرہ بیانی کے فن سے نابلد ہوں کسی نئی کتاب پر جب دوستوں کی محفل میں بات چلتی ہے تو ایسا زبانی تبصرہ کرتے ہیں اور اس طرح سے بال کی کھال نکالتے ہیں کہ اگر صاحب کتاب سن لے تو مارے خوشی سے تو پھولے نہ سمائے یا انتہائی مایوسی کا شکار ہو کر رہ جائے۔

انصاف ـــــ (افسانہ)

امجد مرزا امجدؔ

آج پھر اس کی ماں نے لمبی سی تقریر جھاڑی اور سختی سے کہا کہ فوراً سیٹ بک کراؤ اور پاکستان جا کر اپنے باپ کی جائیداد بیچ کر اپنے حصے کی رقم کو ساتھ لے کر آؤ۔۔ ارباب سخت پریشان تھا جب سے اس کا باپ فوت ہوا اس کی ماں کی یہی رٹ تھی کہ تمہارے باپ کی موروثی جائیدا پر تمہارے چچا نے ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے اس نے زندگی میں تو کوئی پرواہ نہ کی مگر میں یہ بات نہیں برداشت کر سکتی کہ وہ ساری عمر میرے میاں کے بھیجے ہوئے پونڈوں سے عیش کریں اور اب خاندانی جائیداد کو بھی ہڑپ کر جائیں۔ ارباب نے ماں کی عزت وحرمت کا لحاظ کرتے ہوئے دبی زبان سے کئی بار انہیں چچا کی مالی حالت ان کی بیماری اور دو نوجوان بیٹیوں کی مجبوری بھی بتائی مگر روائتی حسد و بخل سے اس عورت کا دماغ اس قدر بھرا ہوا تھا کہ اس نے ایک دن بیٹے کو پاکستان بھیج ہی دیا۔ ارباب کے چچا نے اس کا بڑی گرمجوشی ومحبت سے استقبال کیا۔ اپنی حیثیت سے بڑھ کر اس کی خاطر مدارت کی۔ ارباب نہایت سمجھدار اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بڑی اچھی نوکری پر فائز تھا اس نے چند دنوں میں ہی اندازہ لگا لیا کہ چچا بڑی کسمپرسی کی زندگی گزار رہا ہے باپ کی جائیدا ہی کتنی تھی ایک مکان اور دو دو کانیں کرایہ پر تھی جن کی آمدن اتنی بھی نہ تھی کہ وہ کچھ پس انداز کر کے بیٹیوں کی شادی کر سکتا۔۔ ایک دن ارباب نے چچا کو بٹھا کر ماں کے بارے میں بتایا تو اس کے چچا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔

”کیوں نہیں بیٹے! وہ ٹھیک کہتی ہے ہمارے باپ کی جائیداد پر ہم دونوں بھائیوں کا حق ہے لہذا کل ہی اس جائیداد کو بیچ کر تم اپنے باپ کے حصے کی رقم لے جا کر ماں کو دے دو۔“

ارباب مسکرایا۔۔ اور بولا۔”جی ٹھیک ہے کل ہی ہم وکیل کو جا کر ملتے ہیں۔۔“

چچا اور چچی نے یہ سن کر ٹھنڈی سی آہ بھری اور خاموش ہو گئے۔ دوسرے دن ارباب چچا کے ساتھ جا کر وکیل سے ملا۔ وکیل نے کاغذات پر چچا کے اور ارباب کے دستخط کروائے۔ اور دونوں واپس گھر آ گئے۔ دو دن بعد ارباب لندن واپس آ گیا۔ ماں کی آنکھوں میں سوال تھا۔۔ ارباب نے اسے بیس ہزار پونڈ کا چیک دیا کہ جائیداد کو بیچ کر اس نے رقم یہاں ٹرانسفر کروالی تھی۔ ماں نے مسکرا کر ایک لمبی سی سانس لی اور بیٹے کے کندھے پر شاباش کا ہاتھ مار کر کہا۔”یہ ہوئی ناانصاف کی بات۔۔ یہ چیک تم اپنے اکاؤنٹ میں ہی جمع کرا دو بھلا میں کیا کروں گی اس تھوڑی سی رقم کا۔۔ میں تو چاہتی تھی کہ ہر کام میں انصاف ہونا چاہیے۔۔ جیتے رہو میرے بیٹے تم نے جا کر صحیح انصاف کیا۔۔ میرا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا تم نے۔۔!!“

ادھر دو تین دن تک ارباب کے چچا کے گھر ماتم جیسی سوگواری رہی۔ سارے گھر والے خاموش بھرائی ہوئی آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے مگر کوئی کچھ نہ بولتا کہ ایک دن دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا باہر وکیل صاحب ہاتھ میں ایک فائیل پکڑے کھڑے تھے۔ اندر آ کر انہوں نے فائیل ارباب کے چچا کو دی اور بولے”ارباب نے آپ کے ساتھ آنے سے پہلے مجھ سے کچھ باتیں طے کی تھیں۔ اس نے ساری جائیداد آپ کے نام کر دی ہے۔ اور ساتھ یہ ایک چیک دس لاکھ کا دیا تھا کہ میرے جانے کے بعد چچا کو دینا۔۔ تاکہ میری دونوں بہنوں کی اچھی طرح شادی کر دیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس کی بھنک بھی برادری کے کسی شخص کے کان میں نہ پڑے۔۔ ورنہ میری ماں میرا جینا حرام کر دے گی۔۔ مگر اس کے لئے دعا ضرور کریں کہ اللہ اس کے دل میں آپ سب کے لئے نرمی ومحبت پیدا کرے۔۔۔“ وکیل کی آواز بھرا گئی۔۔ چچا چچی اور اس کی دونوں بیٹیاں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھیں۔۔۔۔!!

SARMAD GLOBAL

CHARTERED ACCOUNTANTS

QUALIFIED CHARTERED ACCOUNTANTS WITH BIG 4 EXPERIENCE

FREE TELEPHONE / EMAIL & WHATSAPP SUPPORT

- ✓ Company incorporation / Registered Office Address
- ✓ Personal Income Tax Return investigations,
- ✓ Rental Income Tax Returns
- ✓ UK State Pension Entitlement Review
- ✓ Advice on filling Gaps in UK State Pension
- ✓ UK State Pension / (Contracted Out) Tracing
- ✓ Private UK Pension Tracing.
- ✓ Assets Review for Inheritance Tax
- ✓ Appealing-Past years HRMC Penalties
- ✓ Preparation / Filing of Prior year tax returns
- ✓ Duplicate-Payslips/ P60s

ICAEW CHARTERED ACCOUNTANTS

SARMAD KHAN ACA, FCCA

OFFICE 115 LONDON ROAD MORDEN SURREY SM4 5HP UK

TEL +44(0)208 646 3666 FAX +44 (0)208 082 5002

E-MAIL: INFO@SARMADGLOBAL.COM

WEB. WWW.SARMADGLOBAL.COM

CELL +44 (0) 7903 416966

SAAMS FUNCTION HALL

Catering & Event Management

Services Available

- Catering Service
- Special Events
- Corporate Event
- Linen
- Crockery
- Cutlery
- Fresh Flowers
- Drinks
- Stages Decore
- Barbecue Hire

Enquire for a Booking

We Take reservations Everyday

Catering to your requirments
Cell:07883 815195

Under New Management
Newly Refurbished function Hall

TRANSLATIONS

ENGLISH - URDU

ATA TAHIR

DPSI ENGLISH LAW

IOLET DIPLOMA IN PUBLIC SERVICE

Interpreting Urdu-English Law

07818210181

atatahir@hotmail.com

SHARIF JEWELLERS

SINCE 1952

Timeless Jewels, Priceless Memories

Diamond • Gold • Kundan • Bespoke • Bridal Jewellery
Jewellery Repairs • Bullion Dealer • Best Jewellery Appraisal

WEDDING | PARTY | EVERYDAY

/SharifJewellers

LONDON
28 London Road, Morden
United Kingdom, SM4 5BQ
+44 (20) 3609 4712
+44 (0) 7405 929 636

RABWAH
Aqsa Road, Rabwah
Pakistan, 35460
+92 (47) 6212515
+92 (0) 307 465 7777

HEATING LTD.

24/7 EMERGENCY SERVICE

Domestic & Commercial

Contact: 07722 222 965

www.247breakdownsolution.co.uk

FREE CONSULTATION & LEGAL ADVICE
24 Hours Emergency Numbers

مفت قانونی مشاورت
24 گھنٹے ایمرجنسی سروس

07878 33 5000 / 07774222062

RASHID & RASHID LAW FIRM
211, The Broadway, Southall, UB1 1NB.
Near McDonalds Southall.
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

190 Merton High Street, Wimbledon
London SW191AX
Tel: 02085 401 666, Fax 02085 430 534
Email: law786@live.com

راشد اینڈ راشد لاء فرم
211، دا براڈوے، ساؤتھ ہال، UB1 1NB، نزد میکڈونلڈز ساؤتھ ہال
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

190 میرٹن ہائی سٹریٹ، ویمبلڈن
لندن SW19, 1AX
فون: 02085 401 666، فیکس 02085 430 534
ای میل: law786@live.com

SOW THE SEEDS OF LOVE

Benefit with very competitive rates, tailored advice & service to suit your specific needs, 24 hour response to all online enquiries and our many years of experience
www.rashidandrashid.co.uk

مناسب ریٹس میں آپ کی مخصوص ضروریات کے
تحت موزوں مشورہ، 24 گھنٹے آن لائن سروس
اور ہمارا سالوں کا تجربہ

- Asylum & Immigration
- New Point Based System
- Settlement Application (ILR)
- European Law
- Nationality & Travel Documents
- Human Rights Applications
- High / Court of Appeals
- Family Matters and Divorce
- Switching Visas
- Over Stayers
- Legacy Cases
- Work Permits
- Visa Extensions
- Judicial Reviews
- Tribunal Appeals
- Student appeals

- اسائلم / سیاسی پناہ اور امیگریشن
- نیا پوائنٹ بیسڈ امیگریشن سسٹم
- ویزا میں تبدیلی
- ویزا توسیع / ایکسٹینشن
- سیٹلمنٹ درخواست (ILR)
- یورپین قانون
- اوورسٹیئرز
- جوڈیشل ریویو
- نیشنلیٹی اور سفری دستاویزات
- درخواست برائے انسانی حقوق / ہیومن رائٹس
- وراثتی معاملات / لیگیسی کیس
- ٹرائیبونل اپیل
- ہائی / کورٹ آف اپیل
- طلاق و دیگر خاندانی معاملات
- ورک پرمٹ
- سٹوڈنٹس اپیل

RASHID & RASHID
Solicitors, Advocates
Immigration Specialists
Commissioners of Oaths

راشد احمد خان
وکیل (پرنسپل)